خیبر پختونخوا سے شائع ہونیوالا بچوں کا واحد اور مقبول ترین رسالہ

ماہنامہ

اقبال

ڈائجسٹ پشاور

شاہین

جون 2021ء

”پڑھو بھی
اور کورونا سے
لڑو بھی“

حمد

''تیرے سوا کوئی نہیں ہے''

مہوش خولہ راو

اسم اللہ تیرے سوا کسی کا نہیں ہے
بلال نے احد کسی اور کو کہا نہیں ہے
کیوں کیا کیسے کب کا سوال نہیں ہے
تیری وحدانیت کا کوئی جواب نہیں ہے
سچ ہے کہ اس کی رشتے داری نہیں ہے
ذات و صفات کا کوئی مورث نہیں ہے
اخلاص میں صمد کی تعریف یہی ہے
صفات مالک کی کسی سے بھی نہیں ہے
دنیا رسول سے تیرا پوچھتی ہے
رسول نے فرمایا تیری مثل نہیں ہے
الوہیت کی اس کو زوال نہیں ہے
رحمانیت کی تیری حد ہی نہیں ہے
سوا الجبار کے کسی کی مرضی نہیں ہے
حق بندگی ادا راو سے بھرپور ہوا نہیں ہے

نعت

''خدا نے بخشا ہے''

محمد شریف شیوہ

نبیؐ کی یاد کو دل میں سنبھال رکھا ہے
ذرا سے کوزے میں دریا کو ڈال رکھا ہے
کہاں میں اور کہاں مدحت رسول کریمؐ
خدا نے کتنا مجھے با کمال رکھا ہے
فرشتے کیوں نہ کریں روزہ نبیؐ کا طواف
خدا نے اس میں گہر بے مثال رکھا ہے
مرے کلام پہ دھنتے ہیں سر جہاں والے
مجھے یہ آپ نے کتنا اچھال رکھا ہے
مدینے جاؤں کہ اس کو سمیٹ لوں دل میں
یہ اپنے سامنے میں نے سوال رکھا ہے
خدا نے آپ کو بخشا ہے منفرد وہ مقام
کہ جس مقام سے سب کو نکال رکھا ہے
انہی کی شان کریمی کا فیض ہے شیوہ
کہ جس نے میری بلاؤں کو ٹال رکھا ہے

(شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے)

ماہنامہ

”شاہین“

اقبال ڈائجسٹ پشاور

جلد نمبر 31 شمارہ نمبر 5

رکن اسلامک سوسائٹی فار چلڈرن ہابیز

فہرست مضامین

”آپس کی بات“

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

کیسے ہو اقبال کے شاہینو! امید ہے عید الفطر بہ خیر و عافیت گزاری ہوگی۔ کہتے ہیں کہ جو مشکل کی گھڑی میں ساتھ نبھائے وہی سچا ساتھی ہوتا ہے۔ آپ نے دیکھا کہ کورونا نے اپنوں کو دور کیا، دوست واحباب ملنا چھوڑ گئے، مگر شاہین نے بالکل بھی آپ کو نہیں چھوڑا۔ اس دور تنہائی میں بھی ایک سچے ساتھی کی طرح آپ کو بروقت ملتا رہا۔

پیارے بچو! سکول بند ہے اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ آپ پڑھنا چھوڑ دیں بلکہ یہ فرصت تو آپ کے لیے غنیمت ہے، زیادہ وقت مطالعہ اور مثبت سرگرمیوں میں صرف کریں، تاکہ آپ کے والدین کو یہ شکایت نہ ہو کہ باہر کورونا اور اندر رونا۔

عزیزو! شاہین کا یہ شمارہ کورونا کے حوالے سے خصوصی نمبر آپ کے ہاتھوں میں ہے، پڑھیئے اور لطف اٹھائیے۔

چند روز قبل فلسطین بیت المقدس پر قابض یہودیوں نے نہتے مسلمانوں پر حملہ کیا تھا جس میں حماس کے مجاہدین نے زبردست مقابلے کے بعد اس حملے کو پسپا کر دیا، یہ سب دین حق اور اللہ کی مدد اور نصرت اور آپ کی دعاؤں کے سبب ہوا۔ اللہ تمام مظلوم مسلمانوں کو دین کے سائے میں آزادی و خوشحالی کے ساتھ زندگی عطا فرمائے۔ آپ سب کہیں آمین،

اب صفحہ پلٹیئے شاہین آپ کا منتظر ہے۔

رشید احمد شینواری
مدیر شاہین اقبال ڈائجسٹ

رابطہ کیجئے

دفتر شاہین، تیسری منزل، قذافی بلڈنگ، چوک یادگار پشاور

اوقات کار
صبح 9 بجے سے شام 5 بجے تک

0332-9760979
0308-2157589
digest_shaheen@yahoo.com
@ShaheenDigestOfficial

قیمت: 40 روپے
سالانہ رجسٹریشن
عام ڈاک: 600 روپے
رجسٹرڈ ڈاک 800 روپے

تزئین و آرائش: فراز حسین

ہجرت حبشہ

ازقلم حافظ محمد احمد

نبوت کا چوتھا سال شروع ہوا تو نبی کریم ﷺ نے اللہ کے حکم سے لوگوں کو کھلے عام اسلام کی طرف بلانا شروع کردیا آپ ﷺ نے ان کو بتایا کہ بت نہ تمہیں کوئی فائدہ دے سکتے ہیں اور نہ ہی تمہیں کوئی نقصان پہنچاسکتے ہیں ان کو پوجنا چھوڑ دو صرف اللہ کی عبادت کرو اس کا کوئی شریک نہیں اور نہ ہی اس کی کوئی اولاد ہے نہ ماں باپ ہیں اور نہ ہی اس کی کوئی بیوی ہے وہ ان تمام چیزوں سے پاک ہے زمین و آسمان کے درمیان جو کچھ بھی ہے سب اسی کا ہے وہی اس کا مالک ہے وہی اس کا خالق ہے اور ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔
اللہ نے مجھے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے تاکہ میں تمہیں ڈرا سکوں اور تمہیں سیدھے راستے پر چلانے کے لیے تمہاری رہنمائی کرسکوں ہر شخص مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہوگا اور اللہ کے ہاں پیش ہوگا وہ ہر ایک کو اس کے اچھے اور برے کاموں کا بدلہ دے گا مکہ میں جو لوگ طبیعت کے نیک اور سمجھدار تھے ان پر ان باتوں کا بہت زیادہ اثر ہوا اور وہ آہستہ آہستہ اسلام قبول کرنے لگے ان لوگوں میں جنہوں نے اسلام قبول کیا ان میں قریش کے بڑے بڑے خاندانوں کے لوگ بھی موجود تھے۔

اور بہت سے غریب اور غلام لوگ بھی شامل تھے جب قریش مکہ کے کافروں نے دیکھا کہ اسلام کا پیغام لوگوں کے دلوں میں گھر کرتا جا رہا ہے اور وہ دین اسلام کے چراغوں سے روشن اور منور ہوتے جا رہے ہیں تو وہ رسول ﷺ اور تمام مسلمانوں کے دشمن بن گئے انہوں نے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کو ستانا شروع کر دیا اور دوسرا جن مسلمانوں پر ان کا بس چلتا ان پر ظلم و ستم شروع کر دیے جن کے حالات و واقعات کو پڑھ کر انسان کانپ اٹھتا ہے یہ بہادر مسلمان ہر قسم کی سختیاں برداشت کرتے رہے مگر اسلام سے منہ نہیں پھیرا اسلام لانے کی سزا میں کافر حضرت حبابؓ کو دہکتے ہوئے کوئلوں پر لٹاتے اور لوہے کو گرم کر کے ان کے جسم پر لگاتے تھے مگر ان کی زبان سے صرف اور صرف احد ہی احد نکلتا تھا حضرت بلال حبشیؓ کے گلے میں رسی باندھ کر گلیوں میں گھسیٹتے تھے کبھی سخت دھوپ میں تپتی ہوئی ریت پر لٹاتے اور سینے پر بھاری پتھر رکھ دیتے تھے اور چاہتے تھے کہ تم بھی ان کے دین کی طرف واپس آ جاؤ مگر ان کی زبان سے احد ہی احد نکلتا حضرت عمارؓ کو کبھی آگ پر لٹاتے اور کبھی ان کو کافی دیر تک پانی میں غوطے دیتے تھے ان کی والدہ حضرت سمیہؓ کو کفار مکہ کے سردار ابوجہل نے برچھی مار کر شہید کر دیا

اسلام میں سب سے پہلی شہادت بھی ان کی ہی ہے غرض کہ قریش کے پتھر دل کافر مسلمانوں پر دن رات ظلم ڈھاتے رہتے تھے جب ان کی سختیاں بڑھ گئی تو رسول ﷺ نے نبوت کے پانچویں سال مسلمانوں سے فرمایا کہ اچھا ہوگا اگر تم مکہ سے نکل کر حبشہ کی طرف ہجرت کر جاؤ وہاں ایک ایسا نیک دل بادشاہ کی حکومت ہے جو کسی پر ظلم نہیں ہونے دیتا جب اللہ تعالی تمہارے لئے کوئی بہتر صورت پیدا نہ کردے تم وہیں ٹھہرے رہو۔
حبش یا حبشہ بحیرہ قلزم کے مغربی کنارے پر بڑے اعظم افریقہ میں واقع ہے آج کل اس خطے کو ایتھوپیا کے نام سے جانا جاتا ہے اس زمانے میں وہاں کے بادشاہ کو نجاشی کہا جاتا تھا آپ ﷺ کے حکم کی پیروی کرتے ہوئے اسی سال گیارہ مرد اور چار عورتیں مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے جس میں خلیفہ سوم سیدنا حضرت عثمان بن عفانؓ اور ان کی زوجہ مطہرہ حضرت سیدنا رقیہ بنت رسول ﷺ بھی تھیں جب کفار مکہ کو معلوم ہوا کہ مسلمان حبشہ میں سکون سے رہ رہے ہیں تو ان کو غصہ آ گیا اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ اپنے دو نمائندوں کو نجاشی کے پاس بھیجیں جو ان سے درخواست کریں کہ وہ مسلمانوں کو اپنے ملک سے نکال دے اس کام کے لیے انہوں نے جو کفار

مکہ کے معزز آدمی عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کو چنا جو بہت سے تحائف لے کر حبشہ پہنچے اور نجاشی کے دربار میں حاضر ہوکر یہ تحائف اس کی خدمت میں پیش کی پھر درخواست کرنے لگے کہ ہمارے کچھ مجرم آپ کے ملک میں مزہ سے رہ رہے ہیں ان لوگوں نے ایک نیا مزہب قائم کیا ہے اور اپنے ملک سے بھاگ کر یہاں آگئے ہیں آپ ان کو ہمارے حوالے کردیں یا پھر ان کو یہاں سے نکال دیں نجاشی نے ان کی باتیں سن کر کہا کہ میں اس طرح تو ان لوگوں کو اپنے ملک سے نہیں نکال سکتا آخر انہوں نے مجھ پر بھروسہ کیا ہے اور میری پناہ میں آئے ہیں جب تک کہ میں ان کے مذہب اور خیالات کی تحقیق نہ کرلوں تب تک میں ان لوگوں کو اپنے ملک سے نہیں نکال سکتا اس کے بعد اس نے مسلمانوں کو اپنے دربار میں طلب کیا مسلمانوں نے دربار میں پہنچ کر سیدھے سادھے طریقے سے بادشاہ کو سلام کیا اس بات پر درباری بہت زیادہ ناراض ہوئے اور کہنے لگے کہ تم نے بادشاہ کو جھک کر سلام کیوں نہیں کیا مسلمانوں نے بے دھڑک جواب دیا کہ ہم اللہ رب العزت کے سوا کسی کے آگے نہ جھکتے ہیں اور نہ ہی کسی کو سجدہ کرتے ہیں بادشاہ ان سے سوال کیا کہ اے لوگوں تم نے کیا کیا اپنی قوم کا مذہب بھی چھوڑ بیٹھے میرا دین بھی اختیار نہیں کیا اور نہ ہی دنیا کے کسی اور مذہب میں داخل ہوئے ہو آخر پھر تم نے کون سا مذہب ایجاد کردیا ہے مسلمانوں کی اس جماعت میں رسول ﷺ کے چچازاد بھائی حضرت جعفر بن ابی طالبؓ موجود تھے وہ بڑے ذہین اور دانا آدمی تھے مسلمانوں نے حضرت جعفر بن ابی طالبؓ سے کہا کہ وہ بادشاہ کی اس بات کا جواب دیں حضرت جعفر بن ابی طالبؓ آگے بڑھے اور کہنے لگے بادشاہ ہم لوگ جاہل تھے بتوں کی عبادت کرتے تھے حرام چیزیں کھاتے تھے بے حیائی کے کام کرتے تھے ہمسائیوں اور رشتے داروں کے ساتھ برا سلوک کرتے تھے ہم میں جو شخص طاقتور ہوتا تھا وہ کمزور کو کھا جاتا تھا اللہ کی رحمت جوش میں آئی اور ہمارے ہی اپنے کنبے میں سے ایک نبی کو مبعوث فرمایا ہم اس نبی کریم ﷺ کی بزرگی اور امانت داری کو خوب جانتے تھے انہوں نے ہمیں اللہ رب العزت کی مبارک دعوت تبلیغ کی طرف بلایا اور فرمایا کہ تم ایک اللہ کی عبادت کرو بتوں کی عبادت نہ کرو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھراؤ اور حسن سلوک سے پیش آؤ کسی پر ظلم نہ کرو یتیموں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ اور ان کی کفالت کرو ہمیشہ سچ بولو ہم اس سچے رسول ﷺ پر ایمان لے آئے تو ہماری قوم ہم سے ناراض ہوگئی اور ہم پر ظلم کرنے لگی ہم ان کے ظلم سے بچنے اور اپنے دین کو بچانے کے لئے حبشہ کی طرف ہجرت کی بادشاہ نے کہا کہ تمہارے پیغمبر پر جو کلام نازل ہوا وہ سناؤ حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے سورۃ المریم کی ابتدائی آیات پڑھیں جن کو سن کر نجاشی بادشاہ رونے لگا روتے روتے اس کی داڑھی بھی آنسوں سے بھیگ گئی پھر کہنے لگا کہ خدا کی قسم یہ کلام اور انجیل اللہ کی طرف سے ہیں میں تمہیں ان لوگوں کے حوالے نہیں کروں گا جو تمہیں لے جانا چاہتے ہیں اس کے بعد بادشاہ نے ان قاصدوں سے کہا کہ تم واپس جاو میں کبھی بھی ان مظلوموں کو تمہارے حوالے نہیں کروں گا۔

دوسرے دن قاصد دوبارہ نجاشی بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ یہ مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کچھ اچھے خیالات نہیں رکھتے آپ زرہ ان کو بلا کر پوچھیں نجاشی بادشاہ نے مسلمانوں کو فورا دربار میں طلب کیا اور عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں پوچھا حضرت جعفر بن ابی طالبؓ آگے بڑھے اور کہنے لگے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے پیغمبر اور اس کے بندے ہیں اور اس کی طرف سے ایک روح ہیں جوان کی پاک دامن ماں حضرت مریم علیہ السلام میں پھونکی گئی یہ سن کر نجاشی نے زمین کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا اور ایک تنکا اٹھا کر کہا کہ خدا کی قسم جو تم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا وہ اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں تھا پھر اس کے بعد اس نے قریش کے قاصدوں کو ان کے تحائف واپس کردیے اور ان کو اپنے ملک سے رخصت کردیا پھر مسلمانوں سے کہنے لگا کہ تم اس ملک میں آزادی اور امن سے رہو اگر مجھے پہاڑ کے برابر سونا ملے تو پھر بھی میں زرہ برابر زیادتی نہیں کروں گا اس کے علاوہ اس نے مسلمانوں کو صرف پناہ ہی نہیں دی بلکہ خود بھی اسلام قبول کیا اور رسول ﷺ کی خدمت اقدس میں پیغام بھیجا اگر مجھ پر بادشاہت کی ذمہ داری نہ ہوتی تو میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر آپ کی جوتیاں اٹھاتا حبشہ کے اس نیک دل بادشاہ کا نام اصحمہ تھا اس نے سن 9 ہجری میں وفات پائی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے انتقال کے بعد اس کی غائبانہ نماز جنازہ ادا فرمائی حبشہ کیے اس نیک بادشاہ اصحمہ نے نہایت مشکل حالات میں مسلمانوں کی مدد کی اور ان کو اپنے شہر میں پناہ دی۔

☆☆☆

گلدستہ

☆کسی کے دماغ کو جاننا چاہتے ہو تو اس کے لفظوں کو سنو، اگر کسی کے دل کو جاننا چاہتے ہو تو اس کے اعمال کو دیکھو۔

☆ صرف ایک ہی شخص آپ کی زندگی کی بدل سکتا ہے اور وہ آپ خود ہیں۔

شیراز حسین، پشاور

سیریز کہانی

عمر علی، احمد سیریز......

انتہائی سنسنی خیز، ایکشن اور جاسوسی سے بھرپور ناول

ڈیڈ باڈی

ابن آس محمد

پہلی قسط

عمر اور علی سفاری پارک میں موجود تھے۔

وہ اکثر شام کو ہوا خوری کے لیے اس پارک میں آجاتے تھے۔ اپنی کتابیں بھی ساتھ لے آتے تھے۔ ٹھنڈی ہوا میں، کسی پرسکون گوشے میں ایک طرف بیٹھ کر پہلے تو یاد کرنے کے اسباق ٹہل ٹہل کر یاد کرتے۔ پھر کام ختم کر کے تھوڑی تفریح کرتے تھے۔

اس وقت بھی دونوں اپنے ہاتھ میں کتابیں تھامے ادھر ادھر ٹہل رہے تھے۔ سبق یاد کر رہے تھے۔ کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ عمر ٹہلتے ٹہلتے ایک دم رک سا گیا۔ اس کے کانوں سے ایک آواز ٹکرائی تھی۔ وہ چونک گیا۔ اس نے دھیان سے سنا۔ کوئی کہہ رہا تھا۔

”ٹھیک ہے باس..... میں سمجھ گیا.... ختم کر دیتا ہوں اسے...آج اس کی لاش مل جائے گی.. میں ابھی جا کر اس کا کام تمام کر دیتا ہوں.....“

آواز میں سفاکی تھی۔ بلا کی درندگی تھی۔ عمر کانپ کر رہ گیا۔ اس نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ مگر کوئی نظر نہیں آیا۔ آواز بالکل قریب سے سنائی دی تھی۔

اس کی پشت پر کچھ جھاڑیاں تھیں۔ آواز یقیناً جھاڑیوں کے دوسری طرف سے آئی تھی۔ کوئی دوسری طرف فون پر بات کر رہا تھا۔ وہ رُک کر مزید سننے کی کوشش کرنے لگا مگر اس کے بعد کوئی جملہ سنائی نہیں دیا۔ علی ٹہلتے ہوئے، اپنا سبق یاد کرتے کرتے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

”کیا بات ہے...تمہارا پیٹرول ختم ہو گیا....؟“

”پیٹرول...؟“

”ہاں... چلتے چلتے رک گئے نا.... میں سمجھا پیٹرول ختم ہو گیا...“

”میں پیٹرول سے نہیں چلتا ...“ عمر نے منھ بنا کر کہا۔

”تو پھر کس چیز سے چلتے ہو...؟“

”میں اپنے پیروں سے چلتا ہوں...“

”تم کوئی مینڈک ہو جو پیروں سے چلتے ہو..؟“

”مینڈک چلتا نہیں پھدکتا ہے...“

”اچھا تو چلو تم پھدکتے پھدکتے رُک کیوں گئے...؟“

عمر نے گھور کر دیکھا۔

”میں پھدکتا ہوں کیا...؟“

”پتا نہیں...لیکن تم کہہ رہے تھے نا کہ مینڈک پھدکتا ہے...ویسے کوشش کرو تو تم بھی پھدک سکتے ہو..“

”تو میں تمہیں مینڈک نظر آتا ہوں....؟“

”میں نے ایسا تو نہیں کہا...“

”تو پھر تم نے کیا کہا...؟“

”میں نے تو پوچھا تھا کہ تم چلتے چلتے رُک کیوں گئے ....لیکن تم بات کو کہیں کا کہیں لے گئے.... مجھے بتانے لگے کہ مینڈک پھدکتا ہے....“

”میں بات کو کہیں لے کر نہیں گیا...تم نے واضح طور پر کہا تھا کہ میں پھدکتے پھدکتے رُک کیوں گیا..؟“

”تو بتا دو نا کہ کیوں رُک گئے ...اس میں برا ماننے والی کیا بات ہے...؟“

”کیوں کہ میں نے...“

وہ کہتے کہتے رک گیا۔ علی ایک بار پھر چوٹ کر گیا تھا۔ وہ بات سمجھ کر غراتے ہوئے بولا:

” علی.... میں تمہیں سیدھا کر دوں گا.... ایک ہاتھ لگاؤں گا نا بتیسی باہر آ جائے گی..“

علی نے منھ بنا کر کہا:

”تم نے علی کو ہلکا سمجھا ہے کیا..

..ایک ہاتھ تو میں بھی لگا سکتا ہوں....''
''کیا کیا....تم...اور مجھے ہاتھ لگاؤ گے..تمہاری اتنی ہمت....؟''
علی نے شوخی سے کہا:
''اس میں ہمت کی کیا بات ہے....تم کوئی خار پشت ہو جو تمہیں کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا...یہ لو...لگا لیا ہاتھ....''
علی نے اس کے ساتھ ہی ہاتھ آگے بڑھا کر اسے کاندھے سے چھو لیا۔عمر بھنا گیا۔
''تمہاری تو ایسی کی تیسی ....ابھی بتاتا ہوں تمہیں....''
وہ علی کی طرف لپکا،مگر علی کہاں اس کے ہاتھ آنے والا تھا۔علی اچھل کر بھاگا اور بھاگتا چلا گیا۔عمر بھی اس کے پیچھے بھاگا،پھر دونوں کافی دور تک ایک دوسرے کے پیچھے دوڑتے چلے گئے۔عمر کی رفتار تیز تھی،علی کی رفتار اس کے جیسی نہیں تھی،مگر علی کائیاں تھا،بار بار جھکائیاں دے رہا تھا اس کے ہاتھ نہیں آرہا تھا۔آخر عمر ہانپ گیا۔ایک طرف کھڑا ہو کر اس کو گھورنے لگا۔سمجھ گیا کہ وہ اس کے ہاتھ نہیں آئے گا۔
''ہار گئے...؟بس....اتنی ہی ہمت تھی....''
''جاؤ معاف کیا...'' عمر نے سانس درست کرتے ہوئے کہا۔
''اچھا کیا معاف کر دیا...ورنہ آج پھر سبکی ہونے والی تھی تمہاری...''
''کیوں....؟''
''کیوں کہ تم کبھی مجھے پکڑ نہیں سکے ہو...جب بھی پکڑنے کی کوشش کرتے ہو .... دوڑتے دوڑتے رُک جاتے ہو....''
عمر نے گھورتے ہوئے کہا:
''کیوں کہ میں تمہیں معاف کر دیتا ہوں....''
''وہ تو ٹھیک ہے ..مگر تم نے بتایا نہیں کہ تم وہاں جھاڑیوں کے پاس پھدکتے پھدکتے ....میرا مطلب ہے ٹہلتے ٹہلتے رک کیوں گئے تھے۔؟''
عمر ایک دم چونک گیا۔وہ علی کے چکر میں بھول ہی گیا تھا کہ اس نے کتنی خوف ناک بات سنی تھی۔

''میں نے کچھ سنا تھا وہاں...'' عمر نے برا سا منہ بنایا۔
''تم کچھ سن لیتے ہو تو رُک جاتے ہو...؟''
''تم بھی سن لیتے تو رُک جاتے ...جہاں ہوتے وہیں ساکت رہ جاتے''
''ایسا کیا سن لیا تم نے ...جس نے تمہیں ساکت کر دیا تھا...''
عمر نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا:
''کسی کا خون ہونے والا ہے۔''
علی چونک گیا۔گھبرا کر بولا:
''کیا کہا...؟ خون ہونے والا ہے...کس کا خون ہونے والا ہے.؟''
عمر نے اثبات میں سر ہلایا۔
''یہ تو نہیں معلوم ..مگر کسی کا خون ہونے والا ہے تھوڑی دیر میں..''
''یہ یہ...یہ تم کیا کہہ رہے ہو....''
''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں....میں نے سنا۔کوئی کہہ رہا تھا....ٹھیک ہے باس.... میں سمجھ گیا...ختم کر دیتا ہوں اسے...آج اس کی لاش مل جائے گی..میں ابھی جا کر اس کا کام تمام کر دیتا ہوں....''
علی بھی چونک گیا۔
''کیا مطلب....؟''
''یہ میں نے عبرانی میں کچھ کہا ہے جس کا مطلب پوچھ رہے ہو....اتنی سادہ سی تو بات ہے....''
''یہ سادہ سی بات ہے...؟''
''ہاں ....سادہ سی بات ہے ....اس میں مشکل کیا ہے سمجھنے میں....؟''
''یہ سادہ سی بات نہیں ہے...یہ قتل کی بات ہے..کسی کا مرڈر ہونے والا ہے....مم..مگر کہا کس نے یہ..''
علی نے کہتے ہوئے اس طرف نظر دوڑائی جہاں کچھ دیر پہلے وہ ٹہل ٹہل کر سبق یاد کر رہے تھے۔ان کی کتابیں اب بھی وہیں قریبی بینچ پر پڑی تھی،مگر وہاں کوئی ذی روح دکھائی نہیں دے رہا تھا۔عمر نے بھی اس طرف دیکھا ۔سوچتے ہوئے کہا۔
''وہ جو کوئی بھی تھا....شاید اُن جھاڑیوں کے پیچھے تھا

۔فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔اس کی آواز مجھے واضح طور پر سنائی دی تھی۔''
علی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
''اس کا مطلب ...وہ اب بھی ان جھاڑیوں کے پیچھے ہوگا...''
''ہاں...ہونا تو چاہیے....جھاڑیوں کے پیچھے سے نکل کر اس طرف کوئی آتا دکھائی تو نہیں دیا۔اس کا مطلب ہے وہ اب بھی ان ہی جھاڑیوں کے دوسری طرف ہی ہو گا...''
''اگر تم سچ کہہ رہے تو....تو چلو...چل کر پوچھتے ہیں اس سے...؟''
''کیا پوچھیں گے....؟''
''یہی کہ بھائی ....کس کا قتل کرنے جا رہے ہو...کیوں قتل کرنے جا رہے ہو....قتل کرنا کوئی اچھی بات تو نہیں ہے ....ایک انسانی جان بہت قیمتی ہوتی ہے...یوں ہی فون پہ بات کرتے ہوئے کسی کو قتل کرنے کی بات نہیں کرنی چاہیے....''
عمر نے منھ بنا کر کہا:
''تم فضول باتیں کم نہیں کر سکتے....''
''کر تو سکتا ہوں....مگر پھر تم شروع کر دیتے ہو...؟''
''میں فضول باتیں کرتا ہوں....''
علی نے کاندھے اچکا کر کہا:
''معلوم نہیں..لیکن میرا خیال یہی ہے....؟''
''کیا خیال ہے تمہارا....''
''وہی جو تمہارا خیال ہے....؟''
''میرا خیال....؟''
''ہاں ....ابھی تم نے کہا نا ....کہ تم فضول باتیں کرتے ہو....''
عمر بھنا گیا۔تلملا کر بولا:
''میں نے یہ نہیں کہا تھا ...میں نے پوچھا تھا کہ کیا میں فضول باتیں کرتا ہوں....''
علی نے ہنس کر فلسفیانہ انداز میں کہا:
''ایسی باتیں پوچھی نہیں جاتی ہیں....
.ایسی باتوں کا اندازہ تو انسان کو خود ہی۔۔۔

لگا لینا چاہیے ....اُف ...میں نے انسان کہہ دیا ....تم نے برا تو نہیں مانا نا....؟''

عمر نے گھورتے ہوئے کہا:

''علی ..تم ہو ہی ایسے .... یا بنتے ہو....''

علی نے مسکرا کر کہا:

''میں ہوں ہی ایسا..اللہ نے مجھے ایسا ہی بنا ہے..''

''اچھا...کیسا بنایا ہے....مجھے بھی تو پتا چلے....''

''اشرف المخلوقات....'' علی نے ہنس کر جواب دیا تو عمر کی بھی ہنسی نکل گئی۔

پھر دونوں ہی ہنسنے لگے۔اس کے بعد انہوں نے وقت ضایع نہیں کیا۔تیزی سے اس طرف بڑھے جہاں ان کی کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔علی نے جلدی سے کتابیں سمیٹیں۔عمر نے جھانک کر جھاڑیوں کی طرف دیکھا ،مگر جہاں تھا وہیں کھڑا رہ گیا۔حیرت انگیز طور پر وہاں کوئی نہیں تھا۔علی کتابیں سمیٹ کر اس کے قریب آیا تو عمر خاموشی سے کھڑا تھا۔

''کیا ہوا....؟''

''کچھ نہیں...عمر نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

''یہاں کوئی نہیں ہے....''

''تو...لیکن تم نے تو کہا تھا کہ تم نے آواز صاف طور پر سنی ہے....''

''ہاں کہا تو تھا...لیکن وہ جو کوئی بھی تھا،اب یہاں سے چلا گیا ہے۔''

''کہاں چلا گیا....''

وہ دیکھو...شاید وہی ہے....''

عمر نے جھاڑیوں کی مخالف سمت میں اشارہ کیا۔

دور اُس جانب جہاں پارکنگ تھی اور درجنوں موٹر بائیکس کھڑی نظر آ رہی تھیں اس طرف ایک آدمی تیز تیز قدموں سے جاتا دکھائی دے رہا تھا۔اس ایک آدمی کے سوا کوئی اور شخص وہاں جاتا نظر نہیں آ رہا تھا۔

''ہو نہ ہو ...یہ وہی آدمی ہے ،جو کچھ دیر پہلے یہاں جھاڑیوں کے پیچھے موجود تھا....مگر فون پر بات کرنے کے بعد وہ یہاں سے روانہ ہو گیا...''

''تو چلو...اسے روکتے ہیں...''

''چلو...'' عمر نے کہا۔

انہوں نے جھاڑیاں پھلانگیں ،اور اس طرف دوڑ لگا دی جس طرف وہ آدمی جا رہا تھا۔

جب تک وہ اس تک پہنچتے ،ان کے دیکھتے ہی دیکھتے ،وہ ایک بائیک پر بیٹھا اور پارکنگ سے نکلتا چلا گیا۔وہ اتنی دور تھے کہ اس کے چہرے کی جھلک بھی نہ دیکھ سکے۔

''ارے ارے...وہ تو نکل گیا۔''

عمر نے سر پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

''کوئی بات نہیں.... پارک کے سامنے والی سڑک بہت طویل ہے ،اور اکثر ویران رہتی ہے ،ہم اسے پکڑ لیں گے...''

انہوں نے اپنی بائیک کی طرف دوڑ لگا دی۔

....

محمد احمد اپنے آفس میں بیٹھے تھے۔وہ بہ ظاہر ایک بہت بڑے وکیل تھے اور باقاعدہ طور پر ایک شان دار ذاتی آفس میں کام کرتے تھے۔روز وقت پر اپنے آفس چلے جاتے تھے اور ان کیسز کی فائلیں دیکھتے تھے جن کی وہ پیروی کر رہے ہوتے تھے۔ویسے عام طور پر ان کی فرم میں موجود دیگر ماہر وکیل ہی عدالتوں میں جاتے تھے ،وہ خود ذاتی طور پر بہت ہی اہم کیسز میں پیش ہوتے تھے۔عام طور پر دنیا ان کے بارے میں یہی جانتی تھی کہ وہ ایک کامیاب اور مشہور وکیل ہیں۔تاہم کم ہی لوگ واقف تھے کہ وہ اصل میں کیا ہیں۔وکالت کے ساتھ ساتھ وہ اور کیا کرتے ہیں۔اس وقت بھی وہ ایک فائل دیکھ رہے تھے کہ ان کی میز پر رکھے فون کی گھنٹی بجی۔

انہوں نے فائل دیکھتے دیکھتے ریسیور اٹھایا۔

''ہیلو...محمد احمد اسپیکنگ....''

دوسری طرف سے ایک کھردری سی آواز آئی ؛

''سر..میں...غل..اوہ..اف..ارے باپ رے..''

اس کے ساتھ ہی ایک ہلکی سی چیخ سنائی دی اور رابطہ منقطع ہو گیا۔ریسیور محمد احمد کے کان سے لگا رہ گیا۔ایک لمحے کو تو وہ سمجھ ہی نہیں پائے کہ یہ کیا ہوا ہے۔پھر اگلے ہی لمحے انہیں سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ کسی نے انہیں فون کیا تھا،وہ کسی مصیبت میں تھا،شاید اس کی جان کو خطرہ تھا،کوئی اس کے پیچھے لگا ہوا تھا،اور اس نے موقع پاتے ہی ان سے رابطہ کیا تھا،تاہم وہ اپنی بات پوری نہیں کر سکا۔انہوں نے جلدی سے ایک نمبر ملایا:

''ہیلو...میں محمد احمد بات کر رہا ہوں ....ابھی چند لمحے قبل مجھے ایک فون آیا تھا ،مگر لائن ڈسکنکٹ ہو گئی ....فوری بتاؤ کہ یہ فون کس نمبر سے کیا گیا تھا....''

''جی بہتر....'' دوسری طرف سے کہا گیا۔

محمد احمد نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ایک منٹ بھی نہیں گزرا تھا کہ ان کے فون کی گھنٹی بجی اور دوسری طرف سے کہا گیا۔

''سر آپ کو کھارادر کی گلی نمبر بیس میں واقع ایک پی سی او سے فون کیا گیا تھا۔''

''کھارادر کی گلی نمبر پانچ....؟'' انہوں نے چونک کر کہا۔

''جی سر....''

''اوکے...''انہوں نے مختصراً کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔ پھر تیزی سے اپنا سیل فون اٹھایا اور ایک نمبر ملایا۔جلدی جلدی کچھ ہدایات دیں۔پھر وہ اپنے کمرے سے نکلے۔تیزی سے لفٹ کے ذریعے عمارت سے باہر آ گئے۔کھارادر کا علاقہ ان کے آفس سے زیادہ فاصلے پرنہیں تھا۔وہ کچھ ہی دیر میں کھارادر کے قریب پہنچ گئے۔اپنی گاری انہوں نے مرکزی شاہ راہ پر ہی پارکنگ میں کھڑی کردی تھی۔اندر خاصی تنگ گلیاں تھیں،اور رش کی وجہ سے وہ کسی بھی گلی میں پھنس سکتے تھے۔گلی نمبر بیس وہاں سے زیادہ فاصلے پرنہیں تھی،وہ گلیوں گلیوں لوگوں کے ہجوم کو چیرتے ہوئے کچھ ہی دیر میں گلی نمبر بیس میں پہنچ گئے۔یہ قدرے سنسان گلی تھی۔اطراف میں دونوں جانب اناج کے گودام اور ان کی ہول سیل کی دکانیں تھیں۔شام ہونے کی وجہ سے اب یہاں رش کم ہونے لگا تھا۔وہ گلی کے دوسرے نکڑ پر پہنچے تو انہیں وہ دکان دکھائی دے گئی جہاں پی سی او کا بورڈ لگا ہوا تھا۔وہ دکان پر پہنچے تو ایک لڑکا،ساتھ پاپ کارن بنا رہا تھا۔

احمد علی نے اس سے پوچھا:

''بیٹا..ابھی یہاں کچھ دیر پہلے کوئی فون کرنے آیا تھا..مگر وہ اپنی بات پوری نہیں کر سکا تھا..تمہیں کچھ یاد ہے۔؟''

لڑکے نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کاندھے اچکائے۔

''یاد نہیں سر... یہاں تو ایک کے بعد ایک لوگ آتے رہتے ہیں،کون اپنی بات پوری کر سکا اور کون نہیں ...یہ کیسے پتا چل سکتا ہے....''

محمد احمد نے مسکرا کر کہا:

''اگر کوئی فون کر رہا ہو،اور ایسا خطرہ درپیش ہو کہ وہ بات کرتے کرتے اچانک بھاگ جائے،تمہیں پیسے بھی نہ دے کر جائے،تو وہ تو یاد رہ سکتا ہے نا....''

لڑکا ان کی طرف دیکھتا رہا۔جیسے کچھ سوچ رہا ہو۔پھر سرگوشی میں بولا:

''آپ کون ہیں....؟''

محمد احمد اب اسے کیا بتاتے کہ وہ کون ہے۔ایک لمحہ سوچ کر بولے:

''میں خفیہ کا آدمی ہوں ....کچھ یاد ہے تمہیں کہ ایسا ہوا تھا...''

لڑکا ادھر دیکھتے ہوئے بولا:

''جی سر....ایک آدمی کچھ دیر پہلے آیا تھا....وہ فون کر رہا تھا،ابھی اس نے فون پر بات شروع بھی نہیں کی تھی کہ سامنے گلی میں سے دو تین آدمی بھاگتے ہوئے آئے اور وہ فون چھوڑ کر بھاگ گیا۔''

محمد احمد کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

''کون تھا وہ آدمی،کیا تم اسے جانتے ہو...؟''

اس نے انکار میں سر ہلا دیا۔

''نہیں جناب...پہلی بار دیکھا تھا....''

''اوہ...اچھا....اور وہ لوگ ...جو اس کے پیچھے آئے تھے....انہیں پہچانتے ہو....''

اس نے ایک بار پھر انکار میں سر ہلا دیا۔محمد احمد ایک لمحے کو سوچ میں پڑ گئے۔پھر چونک کر بولے۔

''تمہیں ان میں سے کسی کا حلیہ یاد ہے ....ان کے کپڑے .... یا کوئی ایسی چیز ...جس سے انہیں پہچانا جا سکے....''

لڑکے نے سوچتے ہوئے کہا۔

''جو فون کرنے آیا تھا....اس نے سفید شرٹ اور جینز پہنی ہوئی تھی .... موٹی موٹی مونچھیں تھیں،اور ...گھنگھریالے بال تھے..تھوڑے لمبے....''

''اچھا....وہ کس طرف بھاگا تھا....''

لڑکے نے ایک پتلی سی گلی کی طرف اشارہ کر دیا۔محمد احمد نے پلٹ کر دیکھا،ان کے سامنے ایک پتلی سی گلی تھی۔جو دو بلڈنگوں کے درمیان اندر ہی اندر جاتی دکھائی دے رہی تھی۔محمد احمد نے آؤ دیکھا نہ تاؤ،مزید کوئی بات کیے بغیر اس گلی میں گھستے چلے گئے۔وہ گلی بھی شیطان کی آنت ثابت ہوئی۔اندر ہی اندر جگہ جگہ مڑتی چلی گئی۔وہ دوڑتے چلے گئے۔سمجھ گئے تھے کہ جس نے بھی انہیں فون کیا تھا وہ کسی مشکل میں تھا،ان کو اچھی طرح جانتا تھا،ورنہ ان کے آفس میں فون کیوں کرتا.... وہ کئی گلیوں سے ہوتے ہوئے آخر کار ایک سڑک پر آ گئے۔یہ سڑک اور اس جیسے کئی سڑکیں اطراف میں تھیں۔وہ کچھ ایسے علاقت میں نکل آئے تھے جہاں بد قماش قسم کے لوگوں کی چہل پہل تھی،لوگ آ جا رہے تھے۔مگر کوئی خلاق معمول بات دکھائی نہیں دے رہی تھی۔انہوں نے دو چار دکان داروں اور ٹھیلے والوں سے بھی پوچھا کہ کسی نے سفید شرٹ اور نیلی جینز والے نوجوان کو بھاگتے دیکھا ہے،جس کے پیچھے دو چار غنڈے بھی دوڑ رہے ہوں مگر کسی سے بھی تسلی بخش جواب نہ مل سکا۔یا تو کسی نے دیکھا نہیں تھا،یا کوئی بتانا ہی نہیں چاہتا تھا۔کافی دیر کی بھاگ دوڑ اور تلاش کے بعد وہ ناکام ہو گئے۔نہ تو ان کے مطلوبہ نوجوان کا کچھ پتا چلا،اور نہ ان لوگوں کا کچھ معلوم ہو سکا جو اس کا پیچھا کر رہے تھے۔آخر کار وہ ایک طویل سانس لے کر مرکزی سڑک پر جانے والی ایک گلی میں مڑ گئے۔اور ایک دو گلیاں گھوم کر ایک چوری گلی میں آئے تو چونک گئے۔اس گلی کے نکڑ پر لوگوں کا ہجوم تھا۔وہ دھڑکتے دل کے ساتھ تیزی سے آگے بڑھے،اور لوگوں کو چیر کر جب آگے آئے تو ایک طویل سانس لے کر رہ گئے۔

ان سے کچھ فاصلے پر ایک سفید شرٹ اور نیلی جینز میں ملبوس،ایک نوجوان اوندھا پڑا ہوا تھا۔پہلی نظر میں ہی انہیں اندازہ ہو گیا کہ وہ زندہ نہیں ہے۔اسے قتل کر دیا گیا ہے۔اس کی لاش کے پاس کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔اس کے پشت پر خون پھیلا ہوا تھا،جس کے باعث اس کی سفید شرٹ لال ہو گئی تھی۔

لوگ چہ مگوئیاں کر رہے تھے۔اسی وقت پولیس کی گاڑی کے سائرن کی آواز سنائی دی۔اور وہ آگے بڑھتے بڑھتے رک گئے۔اسی وقت ان کی نظر ہجوم میں موجود لوگوں پر پڑی اور ان کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔

انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

پھر کیا ہوا..............................؟

یہ دلچسپ،سنسنی خیز جاسوسی کہانی ابھی جا رہی ہے۔

اس سے آگے کے واقعات پڑھنے کے لیے

اگلے ماہ کا شمارہ ملاحظہ کیجیے

''درویش سرائے''

محمد فیصل علی

''درویش میاں!

اب طبیعت کا حال سناؤ''

مرغے نے اپنی عینک ٹھیک کرتے ہوئے عقاب سے پوچھا۔جواب میں درویش عقاب نے ایک سرد آہ بھری اور کراہنے لگا۔وہ اس وقت بستر پر زخمی حالت میں پڑا تھا۔اس کے دونوں ہاتھ پاؤں شدید زخمی تھے اور ان پہ پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔

عقاب کو سبھی جانور درویش کہتے تھے اور کیوں نہ کہتے ،علامہ اقبال جیسے شاعر نے جو انھیں درویش قرار دیا تھا۔چند دن پہلے درویش میاں حسبِ معمول اڑان پہ تھے اور اپنے شوق کی تسکین کے لیے خطرناک پہاڑوں اور تنگ گھاٹیوں کے بیچوں بیچ اڑ رہے تھے کہ ایسے میں ان کا ٹکراؤ ایک چٹان سے ہوگیا اور وہ دھم سے زمین پہ آ گرے۔یہ تو بھلا ہو ڈاکٹر مینا اور اس کے شوہر کا کہ وہ وہاں سے گزر رہے تھے،اور انھوں نے درویش کو بروقت ابتدائی طبی امداد دے کر بچا لیا۔اس وقت درویش کے جگری دوست اس کی عیادت کو آئے ہوئے تھے۔درویش اپنے بستر پہ پڑا کراہ رہا تھا اور مرغے میاں ان کی خیریت دریافت کر رہے تھے۔بستر کے اردگرد مینا،کبوتر ،ہدہد اور بلبل بیٹھے تھے۔

''ہائے ہائے!!بس بھائی کیا بتاؤں،میرا تو انگ انگ دُکھ رہا ہے۔''

درویش نے کراہتے ہوئے کہا۔

''ہائے ہائے نہیں،بسم اللہ کہو میاں اور خدا کا شکر بجالاؤ کہ اس نے زندگی کی حفاظت کی۔''

مرغے میاں نے اسے ادب آداب بتائے۔

''ٹھیک کہتے ہو بھائی،اللہ کا بہت کرم ہے۔''

درویش نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''ان شاءاللہ آپ جلد ٹھیک ہو جائیں گے۔''

ڈاکٹر مینا نے بھی تسلی دی۔

''ان شاء اللہ بہن،دعا کریں آپ کہ میں جلد ٹھیک ہو جاؤں،پھر۔۔۔''

عقاب نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

''پھر کیا بھائی؟''

کبوتر نے پوچھا۔

''پھر میں نے ایک فیصلہ کرلیا ہے،اب اسی کے مطابق زندگی گزاروں گا۔''

عقاب نے پرعزم لہجے میں کہا۔

''کیا سوچ رہے ہو میاں؟''

مرغے میاں نے اسے عینک کے اوپر سے دیکھا۔

''میں اپنی دولت سے جنگل کے تمام پرندوں کے لیے ایک لنگر خانہ کھولوں گا اور سب کی خدمت کروں گا۔''

درویش نے بتایا تو سبھی چونک پڑے۔

''واہ درویش میاں واہ،بہت اچھا خیال ہے،مطلب جنگل میں منگل کا سماں بندھنے جا رہا ہے۔''

مرغے نے دل کھول کر خوشی کا اظہار کیا اور باقی پرندے بھی اسے سراہنے لگے۔

☆☆☆

جنگل میں منگل کا سماں بندھ چکا تھا۔برگد کے بڑے درخت کے نیچے ''درویش سرائے'' کا قیام عمل میں آچکا تھا۔اس وقت وہاں میلے کا سماں تھا۔سبھی پرندے درویش عقاب میاں کی دعوت پہ یہاں جمع ہوئے تھے۔آج اس درویش سرائے کا افتتاح تھا۔کبوتروں کی شان دار سروس جاری تھی اور سبھی پرندے لذیذ کھانوں سے انصاف کرنے میں مگن تھے۔درویش میاں نے اعلان کیا تھا کہ یہاں روازنہ مفت میں کھانا ملا کرے گا۔اس پہ سبھی پرندوں نے درویش میاں کی سخاوت کو خوب داد دی اور انھیں ڈھیروں دعاؤں سے نوازا۔یوں درویش سرائے کا آغاز ہوگیا۔جلد ہی یہ لنگر خانہ پورے جنگل میں مشہور ہوگیا۔

☆☆☆

کبوتروں نے اپنی سنسنی خیز رپورٹ پیش کی اور عقاب اسے پڑھنے لگا۔جیسے جیسے وہ پڑھتا جا رہا تھا اس کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔رپورٹ میں بتایا گیا تھا کہ کچھ پرندوں کی طرف سے لنگر خانے میں بدعنوانی کا ارتکاب ہو رہا ہے۔کچھ پرندے لنگر خانے سے کھانا چرا کر گھروں میں لے جاتے ہیں۔کبوتروں کی ایک ٹیم نے جب ان پرندوں کا تعاقب کیا اور جاسوسی کی تو ان پہ یہ دکھ بھرا انکشاف ہوا کہ وہ لالچی پرندے چرایا ہوا کھانا گھر جا کر رکھ دیتے ہیں،چونکہ انھوں نے تو سیر ہو کر کھانا کھایا ہوتا ہے اس لیے اکثر وہ کھانا ضائع ہو جاتا ہے اور اگلی صبح ان کے گھروں کے باہر گرا ہوا پایا جاتا ہے۔ادھر ان پرندوں کے چرانے کی وجہ سے سرائے میں کھانا جلدی ختم ہو جاتا ہے اور اکثر مہمان اور مسافر پرندے بھوکے واپس چلے جاتے ہیں۔

یہ رپورٹ درویش کے لیے پریشان کن تھی۔آخر اس نے اس مسئلے کے حل کے لیے اپنے دوست مرغے میاں کے پاس جانے کا فیصلہ کیا۔تھوڑی دیر بعد وہ اڑان بھر کر اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھا۔

☆☆☆

درویش سرائے میں اس وقت کافی رش تھا۔سبھی پرندے کھانے پہ ٹوٹے ہوئے تھے۔کبوتر برق رفتاری سے سروس دے رہے تھے۔اچانک ہال میں ایک آواز گونجی:

''حاضرین!! آج ہم نے آپ سب کی تفریح کے لیے یہاں ایک قصہ گو کو بھی بلایا ہوا ہے جو آپ کو دل چسپ قصہ سنائے گا، کیا خیال ہے سننا پسند کریں گے آپ؟''

سبھی نے دیکھا کہ درویش کے ساتھ مرغے میاں خراماں خراماں چلے آ رہے تھے۔ وہ حسب عادت بار بار اپنے عینک کو ٹھیک جگہ پہ جماتے آ رہے تھے۔ مرغے میاں کا اندازِ قصہ گوئی سبھی جانوروں میں مشہور تھا، اس لیے سبھی جانوروں نے تالیاں اور سیٹیاں بجا کر ان کا استقبال کیا۔ اس پذیرائی پہ مرغے میاں تو پھولے نہ سمائے، آخر شور تھما تو مرغے میاں بولے:

''توجہ سے سنو، تو سناؤں
ورنہ میں تو واپس جاؤں
کہانی ساتھ لے جاؤں
جتنا بلاؤ، ہرگز نہ آؤں''

اس شاعرانہ انداز پہ سبھی اش اش کر اٹھے، ادھر بلبل نے کھڑے ہو کر کہا:

''سنیں گے تیری بات
بیٹھ کے ساری رات
ہم ہیں مشتاق سماع
حمد سناؤ، یا پھر نعت''

بلبل کے جواب نے گویا سونے پہ سہاگہ اور دودھ پہ بالائی کا کام کیا اور سبھی پرندے جھومنے لگے۔

''شکریہ شکریہ دوستو!! آج مشاعرہ تو ہے نہیں کہ شعر وشاعری میں لگے رہیں، آج تو میں آپ کو ایک شان دار کہانی سنانے جا رہا ہوں، تو تیار ہو جائیں۔''

مرغے میاں نے کہا تو سبھی خاموش ہو گئے، اب انھوں نے کہانی شروع کی:

''بہت عرصہ پہلے کی بات ہے کہ ایک نبی حضرت موسیٰؑ تھے۔ ان کی قوم کو بنی اسرائیل کہا جاتا تھا۔ جب بنی اسرائیل کا بڑا دشمن، فرعون ہلاک ہو گیا تو اللہ تعالی نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ وہ قوم عمالقہ سے جہاد کریں۔ قوم عمالقہ ایک دیو ہیکل قوم تھی۔ انھوں نے ملک شام پہ قبضہ کر رکھا تھا۔ بنی اسرائیل والوں کو جب پتہ چلا کہ عمالقہ کے لوگ بہت قوی ہیکل اور دیو قامت ہیں تو انھوں نے جہاد پہ جانے سے انکار کر دیا۔ اس پہ اللہ تعالی ناراض ہوئے کہ یہ چھ لاکھ لوگ ہیں پھر بھی قوم عمالقہ سے ڈرے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالی نے انھیں ایک وادی میں قید کر دیا۔ یہ وادی ستائیس میل کے دائرے پہ محیط تھی۔ اس کا نام وادی تیہ تھا۔ اب ہوتا یہ تھا کہ وہ سارا دن سفر کرتے کہ کسی طرح اس وادی سے باہر نکل جائیں، لیکن وہ وہیں کے وہیں رہتے۔ یوں وہ چالیس سال تک اس وادی میں بھٹکتے رہے۔''

''چالیس سال!!!!''

کئی آوازیں ابھری تھیں۔

''جی ہاں، اللہ تعالی نے اس میدان میں بھی ان کے آرام کا خیال رکھا ہوا تھا۔ ان کے پاس کوہِ طور کا ایک سفید پتھر تھا۔ حضرت موسیٰؑ جب اس پتھر پہ اپنی لاٹھی مارتے تو وہاں سے پانی پھوٹ پڑتا۔ اسی طرح ان کے لئے ہفتے میں ایک روز آسمان سے دو غذائیں اترتیں، ایک کا نام ''مَن'' تھا جو کہ ایک قسم کی میٹھی چیز تھی جب کہ دوسری غذا کا نام ''سلویٰ'' تھا جو کہ بٹیر کی طرح کا ایک پرندہ تھا۔

''واہ بھئی، اللہ تعالی واقعی بہت مہربان ہے۔''

ہدہد نے تبصرہ کیا۔

''اب ہوا یہ کہ انھوں نے لالچ سے کام لینا شروع کر دیا اور وہ آسمانی کھانا چرانے لگے۔ اللہ تعالی کی طرف سے حکم یہ تھا کہ پیٹ بھر کر کھائیں اور بس، اسے چھپا کر نہ رکھیں، چوری نہ کریں، ذخیرہ اندوزی نہ کریں لیکن وہ لوگ تو بہت ضدی تھے، انھوں نے کھانا چھپانے کا کام جاری رکھا جس سے بے برکتی ہوئی اور اللہ تعالی نے وہ کھانا اتارنا بھی بند کر دیا۔''

''اوہ اوہ، یہ تو بہت برا ہوا''

کئی پرندوں کے منھ سے نکلا۔

''بالکل برا ہوا تھا، اب آپ کیا چاہتے ہیں کہ درویش سرائے بھی بند ہو جائے؟''

مرغے میاں نے کہا تو سبھی پرندے اچھل پڑے۔

''کیا مطلب ہم سمجھے نہیں''

ملی جلی آوازیں سنائی دیں۔

''میں بتاتا ہوں۔''

درویش نے کہا تو سبھی اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اب درویش عقاب نے مختصر طور پہ بتایا کہ کس طرح کچھ دوست کھانا چرا رہے ہیں، جس سے کھانے میں بے برکتی ہو رہی ہے۔

''آپ کو علم ہے کہ وہ کون کون ہیں؟''

مینا نے پوچھا۔

''بالکل علم ہے۔''

درویش مسکرایا۔

''تو پھر آپ انھیں سامنے لائیں نہ؟''

طوطے نے پرزور لہجے میں کہا۔

''نہیں بھائیو!! میں ایسا نہیں کرنا چاہتا، اسی لیے میں نے اپنے دوست مرغے میاں کو یہاں دعوت دی تاکہ میں اپنے ان نادان دوستوں کو سمجھا سکوں، میں ان کو سامنے لا کر انھیں رسوا نہیں کرنا چاہتا، مجھے امید ہے اب وہ سب سمجھ جائیں گے۔''

عقاب نے کہا تو سبھی حیران رہ گئے۔ ان کے دل میں عقاب کی قدر و منزلت مزید بڑھ چکی تھی۔ اچانک ایک پرندے کے من میں کیا آئی کہ اس نے زور سے نعرہ لگایا:

''درویش سرائے!!!''

''زندہ باد!!!'' پرندوں کی آواز نے جنگل میں گونج پیدا کر دی تھی۔

LIBYA

لیبیا

لیبیا شمالی افریقا میں واقع ایک بڑا وار اہم اسلامی ملک ہے۔اس کے شمال میں بحیرہ روم،مشرق میں مصر،جنوب مشرق میں سوڈان،جنوب میں چاڈ اور نائیجر جبکہ مغرب میں الجزائر اور تونس واقع ہیں یونانیوں نے شمالی افریقا کے اس حصے کیلئے لفظ لیبو استعمال کیا تھا لیبیا اس سے نکلا ہے۔

جغرافیائی خدوخال

لیبیا کا زیادہ تر رقبہ صحرا پر مشتمل ہے جو صحرائے لیبیا کہلاتا ہے، یہاں گرمیوں میں شدید گرمی پڑتی ہے، بارشیں بہت کم ہوتی ہیں، صحرا میں کئی جگہ واقعہ نخلستانوں میں موسم کسی حد تک خوشگوار ہوتا ہے۔تاہم ساحلی علاقوں میں آب وہوا سمندر کی وجہ سے مرطوب ہے، رومی خطے میں شامل یہ ساحلی پٹی زرخیز ہے، چنانچہ لیبیا کے بڑے بڑے شہر یہاں واقع ہیں۔

تاریخ بولتی ہے

اس علاقے کو سب سے پہلے بربر قبائل نے آباد کیا تھا۔ ساتویں صدی قبل مسیح میں ساحل شام سے آنے والے فنیقیوں (Phoenicians) نے لیبیا کے ساحل پر کئی شہر بسائے جن میں ٹریپولی (طرابلس) اہم ترین تھا انہوں نے لیبیا کے مشرقی علاقے کو سری نیکا (Cyrenaica) کا نام دیا بعد میں مغربی حصہ پر یونانیوں نے قبضہ کرکے اس کو ٹریپولی ٹانیا کا نام دیا۔

ٹریپولی ٹانیا کچھ عرصے تک قرطاجنہ (موجودہ تونس) کے قبضے میں بھی رہا، پھر یہاں رومی آگئے، رومی دور 46ق م سے 436ء تک رہا، اس کے بعد یورپ سے آنے والی ینڈال قوم نے اسے تباہ وبرباد کردیا۔چھٹی عیسوی میں لیبیا بازنطینی یا مشرقی رومی سلطنت کا حصہ بنا۔عربوں نے ٹریپولی کو طرابلس اور سری نیکا کو برقہ کا نام دیا۔

اطالوی قبضہ

1911ء میں ترکی اور اٹلی میں جنگ چھڑ گئی۔عثمانی ترک اس وقت معاشی اور سیاسی مسائل کا شکار ہونے کے باعث خاصے کمزور ہو چکے تھے ان باتوں کا اٹلی نے فائدہ اٹھایا اور اطالوی فوجیں طرابلس میں داخل ہوگئیں، لیبیا کے غیور عوام نے زبردست مزاحمتی جنگ کا آغاز کردیا1914ء تک اٹلی لیبیا پر مکمل قابض ہو چکا تھا۔1934 میں ٹریپولی ٹانیا اور سری نیکا کو ملا کر اسے لیبیا کا نام دے دیا گیا۔

عمر مختار

عمر مختار لیبیا کے عظیم رہنما تھے، انہوں نے اپنی صحرائی فوج کے ساتھ اطالوی فوجوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔اٹلی نے صحرائی فوج پر اندھا دھند ہوائی حملے کئے، اور بے شمار مجاہدین اور معصوم لوگوں کو شہید کیا۔آخر کار 1931ء میں عمر مختار کو گرفتار کرکے اطالویوں نے پھانسی دے دی۔

لیبیا اور جنگ عظیم دوئم

1940 میں اٹلی نے لیبیا سے مصر پر حملہ کردیا، جوابی کارروائی کرتے ہوئے برطانوی فوجوں نے اٹلی

کو واپس لیبیا دھکیل دیا اور سری نیکا پر قبضہ کرلیا۔اس پر جرمن فوجین اٹلی کی مدد کو آئیں اور اٹلی نے دوبارہ لیبیا پر قبضہ کرلیا، تاہم جنگ عظیم میں جرمنی اور اٹلی کو شکست کے بعد لیبیا کو اقوام متحدہ نے برطانیہ اور فرانس کے حوالے کردیا۔

آزادی

21 نومبر 1949ء کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ایک قرارداد منظور کی، اس کے تحت اعلان کیا گیا کہ لیبیا کو جنوری 1952ء تک مکمل آزادی دے دی جائے گی، 24 دسمبر 1951ء کو لیبیا متحدہ سلطنت کی حیثیت سے دنیا کے نقشے پر ابھرا، شاہ ادریس سنوسی اس کے آئینی بادشاہ مقرر ہوئے 20 جنوی 1952ء کو لیبیا کو مکمل آزادی مل گئی۔

لیبیا اسلامی دور میں

642ء میں حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں برقہ (سری نیکا) اور طرابلس مسلمانوں نے فتح کر لئے، برقہ اور طرابلس فاتح مصر حضرت عمروؓ بن عاص کی قیادت میں فتح ہوئے، بعد میں حضرت عثمانؓ کے دور میں حضرت عبداللہؓ بن سعد نے لیبیا کی فتح کی تکمیل کیا، پھر یہ اموی اور عباسی خلافتوں میں شامل رہا، 1551 میں یہاں عثمانی ترک قابض ہوگئے۔مسجد احمد باشا (طرابلس) اور مسجد مراد آغا (تاجوراء) عثمانی عہد ترک عہد کی یاد دلاتی ہیں، بیسویں صدی کے آغاز تک یہ علاقہ ترکوں کا صوبہ رہا۔

تیل کی دریافت

تیل کی دریافت تک لیبیا ایک غریب اور پسماندہ ملک تھا۔ 1958ء میں یہاں پیٹرولیم کے وسیع ذخائر دریافت ہوئے تو دنیا بھر کی نگاہیں لیبیا پر لگ گئیں۔تیل کے یہ ذخائر برطانوی کمپنی ایسو (اب ایکسون موبائل) نے دریافت کئے۔

مشہور شہر

طرابلس

یہ لیبیا کا دارالحکومت اور سب سے بڑا شہر ہے، اسے فنیقیوں نے ساتویں صدی قبل مسیح میں ٹریپولی (Tripoli) کے نام سے آباد کیا، بعد میں یہاں یونانی اور قرطاجنہ کے باشندے قابض رہے، اس شہر کو ترکوں نے فوجی چھاؤنی کے طور پر ترقی دی، قومی عجائب گھر، فٹبال سٹیڈیم اور ائیر پورٹ یہاں کی مشہور عمارتیں ہیں۔

بن غازی

یہ لیبیا کا دوسرا بڑا شہر اور ملک کا دوسرا دارالحکومت ہے جب غازی یونیوں نے پانچویں صدی ق م میں برنیک کے نام سے آباد کیا تھا۔آزادی کے بعد اس شہر کو ترقی دی گئی اور یہاں تعمیرات کا آغاز ہوا، الیمنار محل، عمر مختار سٹریٹ اور مسجد عتیق یہاں کے مشہور مقامات ہیں۔

مصراتہ

یہ لیبیا کا تیسرا سب سے بڑا شہر ہے اسے عرب مسلمانوں نے ساتویں صدی عیسوی میں بسایا تھا آزادی کے بعد یہاں کئی کالج، سکول اور حکومتی اداروں کے دفاتر تعمیر کئے گئے۔اس شہر کے اردگرد کئی صنعتیں بھی قائم ہیں۔

کیا آپ جانتے ہیں؟

لیبیا میں دنیا کا سب سے بڑا زیر زمین مصنوعی دریا بنایا گیا ہے جسے النہر الصناعی العظیم کہا جاتا ہے اسکی لمبائی 2820 کلومیٹر ہے اسے 1300 ٹیوب ویل پانی فراہم کرتے ہیں۔اس کا تازہ پانی لیبیا کے تین بڑے شہروں طرابلس، بن غازی اور سرت پہنچایا جاتا ہے یہ دریا صحرائے لیبیا سے بڑے بڑے پائپوں کی صورت میں ساحل تک لایا گیا ہے۔

پیارے بچوں! ننھے ادیب کے نام سے یہ سلسلہ آپ جیسے ذہین اور ننھے لکھاریوں کیلئے ہے اگر آپ بھی اس طرح کی کوئی کہانی لکھ سکتے ہیں تو پھر دیر کس بات کی قلم اٹھائیں اور لکھ کر ہمیں بھیجیں۔ اگر وہ بہترین ہوئی تو ہم اسے شائع بھی کریں گے۔ اور آپ کو انعام میں کتاب بھی بھیجیں گے۔

نیکی کا صلہ

تحسین اللہ قریشی، لکی بنوں

اس کا دل چاہ رہا تھا کہ گاڑی زور سے ٹکرا جاتے اور وہ مر جائے مگر بد قسمتی سے ابھی اس کی زندگی باقی تھی تین بار وہ ایکسیڈنٹ سے بچا پھر اس نے گاڑی کا رخ شہر کی کچی بستی کی طرف موڑ دیا ٹیڑھی میڑھی تنگ گلیوں میں کھیلتے بچے اس کی چمچماتی گاڑی کو حسرت سے دیکھنے لگے" بچے مجھے دنیا کا خوش نصیب آدمی سمجھ رہے ہیں" اس نے تلخی سے سوچا حالانکہ میں دنیا کا بد قسمت آدمی ہوں میں دولت شہرت، عزت سب کچھ ہوتے ہوئے بھی اپنی ننھی سی کلی فاطمہ کو نہیں بچا سکتا۔"

اس نے سر جھٹک کر گاڑی آگے بڑھا دی، لوگ اپنے کام کاج چھوڑ کر اس گاڑی کو دیکھنے میں مگن تھے خالد کا شمار شہر کے مشہور تاجروں میں ہوتا تھا بیٹی عائشہ عطا کی۔ اسے عائشہ جان سے زیادہ عزیز تھی۔

جب عائشہ تین سال کی ہوئی تو وہ پہلی بار بیمار ہوئی ٹیسٹ کرایا گیا۔ آج رپورٹ آئی تو پتا چلا کہ عائشہ کو ٹیومر ہے جو کہ خطرناک حد تک بڑھ گیا ہے خالد کا دماغ یہ سنتے ہی گھوم گیا جب ڈاکٹر نے یہ بتایا کہ عائشہ کچھ دنوں کی مہمان ہے، اسے یقین نہیں آرہا تھا۔

عائشہ کی ننھی شرارتیں اسے یاد آرہی تھیں اس کا پیار سے اسے "بابا" کہنا فرمائشیں پوری نہ ہونے پر ناراض ہو جانا، خالد کا دماغ پھٹا جا رہا تھا وہ گاڑی لے کر باہر نکل گیا، اس کا جی چاہ رہا تھا کہ گاڑی کہیں ٹکرا جائے اور وہ مر جائے گاڑی لے کر وہ "کنڈو گوٹھ" بستی کی پچھلی سائیڈ پر بنے نجی ہسپتال تک چلا آیا، یہ مین روڈ پر بنا ہوا تھا، اس کا پچھلا حصہ کنڈو گوٹھ میں لگتا تھا بستی کے غریب لوگ اس ہسپتال میں جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے خالد نے گوٹھ کے آخری سرے پر گاڑی کھڑی کر دی اور گاڑی سے اتر کر گوٹھ کے باسیوں کو دیکھنے لگا وہ وہیں کھڑا تھا کہ ایک میاں بیوی گود میں ایک بچی اٹھائے ہسپتال کی طرف دوڑے بچی کی سانسیں پھولی ہوئی تھیں وہ تیزی سے اندر گئے خالد کو معلوم تھا کہ ان کو کاؤنٹر سے ہی واپس کر دیا جائے گا۔

خالد ایک خیال کے تحت ہسپتال میں چلا گیا بچی کا باپ کاؤنٹر کو منتیں کر رہا تھا "صاحب! ہم کو کہاں سے ڈیڑھ لاکھ روپیہ دیں۔ میں رکشہ چلاتا ہوں۔ ہماری بچی کو دیکھو لو ورنہ۔

اس کی ہچکیاں بندھ گئیں، منیجر پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

بچی کا سانس اکھڑ رہا تھا۔

خالد کاؤنٹر پر گیا، اس بچی کو داخل کرو میں اس کا علاج کراؤں گا، منیجر خالد کو جانتا تھا اس نے ہاں میں سر ہلا دیا، بچی کے ماں باپ کے مردہ چہروں میں جان آگئی بچی کو ایمرجنسی میں لے جایا گیا، ڈاکٹر کی بروقت مدد سے اس کی جان بچ گئی خالد نے رقم ادا کی اور دعائیں لیتا ہوا واپس چلا آیا۔

"خالد! آپ پریشان نہ ہوں عائشہ کی رپورٹ بالکل ٹھیک ہے" شانزے نے کہا "لیڈی ڈاکٹر میرے پاس آئی اور مبارکباد دی اس نے مجھے بتایا کہ وہ رپورٹ غلط ہے، عائشہ کو ٹیومر نہیں صرف تیز بخار ہے"۔۔۔" کک۔۔۔کیا کہا! عائشہ ٹھیک ہے؟

" خالد اسی وقت سجدے میں گر گیا۔ کتنی ہی دیر وہ سجدے میں روتا رہا، جب اس نے سر اٹھایا تو اس کی بہن شانزے عائشہ کو گود میں لئے کھڑی تھی، عائشہ بالکل اسی انداز میں مسکرا رہی تھی جیسے صحیح ہونے کے بعد وہ بچی مسکرا رہی تھی۔

بلی شیر کی خالہ

رشید احمد

دریا کے کنارے سرسبز و شاداب جنگل آباد تھا جہاں ایک شیر کی حکمرانی تھی۔ چونکہ بادشاہ تھا لہٰذا بہت مغرور تھا۔ اس علاقے میں کسی دوسرے شیر کو حملہ کرنے کی ہمت نہ تھی۔ ایک دن شیر اپنے وزیروں کے ساتھ جنگل کے دورے پر نکلا اس کی ملاقات خالہ بلی سے ہوئی

، بلی بہت لاغر و کمزور نظر آئی تو شیر نے پوچھا خالہ بلی، یہ تمہارا حال کس نے کیا ہے؟ بلی نے بتایا جب سے مجھے انسانوں نے پکڑا ہے میرا یہ حال کر دیا۔ شیر طیش میں آگیا اور کہا خالہ مجھے اس انسان کا پتہ بتا۔ ابھی اس سے تمہارا بدلہ لیتا ہوں۔

یہ سن کر بلی بولی: "بھانجے! تم نہیں جانتے انسان بہت خطرناک ہے"۔ مگر شیر نہیں مانا، اور بدلہ لینے پر بضد رہا۔ آخر خالہ شیر کو لے کر انسانوں کی بستی کی طرف روانہ ہوگئی راستے میں ان کا ٹکرا ایک لکڑہارے سے ہوا جو لکڑیاں کاٹ رہا تھا۔

لکڑہارے کو دیکھتے ہی بلی نے کہا یہ انسان ہے شیر نے فورا کہا: "میں تمہارا مقابلہ کرنے کے لئے آیا ہوں، اور اپنی خالہ کا بدلہ لینا چاہتا ہوں"۔

لکڑ ہارے نے کہا: ''کیا تمہاری خالہ نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ انسان بہت خطرناک ہے''۔

"میں تمہیں مزہ چکھا کر ہی رہوں گا"۔ شیر نے کہا۔ جب لکڑ ہارے نے معاملے کی نزاکت کو بھانپ لیا تو اس نے کہا کہ ٹھیک ہے تم یہیں رکو میں لکڑیاں جھونپڑی میں رکھ کر آ تا ہوں۔ اے انسان رک، مجھے کیا پتہ کہ تو واپس آئے گا یا بھاگ جائے گا شیر دھاڑا۔ لکڑ ہارے نے قہقہہ لگایا اور کہا: ''مجھے لگتا ہے میرے واپس آنے تک تم یہاں سے بھاگ چکے ہوں گے''۔ یہ بات سن کر شیر جوش میں آیا اور بولا کہ میں نے تمہیں خود مقابلہ کرنے کے لئے کہا ہے، بھلا میں کیوں بھاگوں گا؟

لکڑ ہارے نے کہا نہیں مجھے تمہاری بات پر یقین نہیں ہے۔ شیر نے سٹپٹا کر خالہ کی طرف دیکھا۔ بلی خالہ نے لکڑ ہارے سے پوچھا تو پھر کیا کیا جائے؟ لکڑ ہارے نے تجویز پیش کی کہ ایسا کرتے ہیں کہ شیر کو اس درخت سے باندھ دیتے ہیں۔ چنانچہ بپھرا ہوا شیر یہ ترکیب مان گیا۔

جوں ہی شیر کو درخت سے باندھا گیا، لکڑ ہارے نے موٹی لکڑی اٹھائی اور شیر کی پٹائی شروع کر دی اور پورے جنگل میں شیر کی چیخ و پکار سنائی دینے لگی۔ اچھی طرح شیر کو پیٹنے کے بعد لکڑ ہارے نے کہا کہ بلی اپنے بھانجے کا خیال رکھو۔ میں ابھی آ تا ہوں۔ یہ سننا تھا کہ بلی شیر کے پاس آئی اور کہا کہ بھانجے میں نے تم سے کہا تھا کہ انسان بہت خطرناک ہوتا ہے، اس سے پنگا نہیں لینا چاہیے، مگر تم نہ مانے اب سزا بھگتو اپنے غرور کی۔

☆☆☆

موتیا کا پودہ

ازقلم تہنیت افتخار

آج سے تین سال پہلے جون کی صبح جب پودوں کو پانی دے رہی تھی کہ موتیے کہ پودے کو پانی دیتے ہوئے مسکرا اٹھی۔

۔۔وجہ میری موتیا کی خوشبو سے محبت ہے۔

۔مگر موتیے میاں آج اداس لگ رہے تھے۔

غور کیا تو معلوم ہوا کہ ان پر لگے پھول کوئی توڑ چکا تھا۔

خیر مجھے تو خوشبو سے غرض ہے میں نے موتیے کے پتوں کو ہاتھ میں لے کر رگڑا اور خوشبو سونگھنے لگی۔

میں اپنے ہی دھن میں تھی کہ اچانک موتیے کی گھمبیر آواز سے چونک اٹھی۔

گزارش گزارش ۔۔ہم کو ایک شکایت عرض کرنی ہے ۔۔۔موتیے نے سپاٹ لہجے میں کہا... میں نے مسکراتے ہوئے کہا: فرمایے جناب والا۔۔۔!

عرض ہے کہ جب مجھ پر پھول نہ ہوں یا کوئی توڑ لے تو آپ میرے پتوں کو ہاتھ پر کیوں ملتی ہیں؟؟

موتیے نے خفگی سے کہا۔۔۔ میں نے پتوں کو ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا: حیرت ہے کہ آپ اپنے اندر کی خوبیوں سے ہی ناواقف ہیں ۔۔۔کیسی خوبی؟؟ حیرت سے مجھے تکتے ہوئے کہا گیا۔ آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ قدرت نے نہ صرف آپ کے پھولوں میں خوشبو مہکاء ہے بلکہ آپ کے پتوں کو بھی وہی خوشبو عطا کی ہے یہی وجہ ہے کہ ہم آپ کے پتوں سے بھی پھولوں کی طرح محبت کرتے ہیں ۔۔۔ بجائے خوش ہو کر داد دینے کے موتیے میاں ہمیں ایسے گھور رہے تھے جیسے ہماری عقل پر شبہ ہو ۔۔۔۔۔ کیا ہوا ایسے کیوں گھور رہے ہو۔

ہم نے موتیے کی شبہ کو نظر انداز کرتے ہوئے پھر پتوں کو ہاتھ پر ملا، لیکن موتیے میاں شائد یقین نہیں کرنا چاہتے تھے۔۔ اچھا اچھا ۔۔۔۔ آپ اپنے آپ کو ہوا کے ساتھ لہلہائے خود ہی معلوم کر لیں گے ، میں نے جلدی سے تجویز پیش کی۔

مگر یہ کیا موتیے میاں اپنی جگہ بلکل سپاٹ کوئی حرکت نہیں۔ جیسے سوچ رہے ہوں اس لڑکی کا دماغ سرک گیا ہے۔

اچھا تو ایسے نہیں مانیں گے۔

ہم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا اور پھر موتیے کے پودے کو زور سے جھنجھوڑا جس سے فضا میں ۔موتیے کی تیز خوشبو پھیل گئی۔

اب کی بار موتیے میاں نہ ہوا کے زور پر ہلے نہ ہی میرے جھنجھوڑنے پر بلکہ شائد اپنی کی خوشبو سے جھومتے چلے گئے اور فضا کو بھینی بھینی خوشبو سے معطر کر دیا۔

شائد وہ اب یقین کر چکے تھے۔

☆☆☆

نظم

''تتلی''

ملائکہ سلیمان

باغوں میں پیارے پیارے
رنگ برنگے پھول سارے

نیلی پیلی چہکتی تتلی
باغ کی سیر کرتی تتلی

کھلتے گلاب اور چمبیلی
پھولوں کی رس پیتی تتلی

باغوں میں پیارے پیارے
رنگ برنگ پھول سارے

جھومی جھومی گنگناتی
دھن میں اپنی اڑتی تتلی

نازک سی یہ پیاری تتلی
قدرت کی اک شان ہے تتلی

باغوں میں پیارے پیارے
رنگ برنگے پھول سارے

☆☆☆

کورونا وائرس ایک جائزہ

رشید احمد شینواری

کورونا وائرس (COVID-19) ایک شدید وبائی تنفّسی بیماری ہے، جو کہ چین کے ووہان ہوبی صوبہ میں دسمبر 2019 میں وقوع پزیر ہوئی، کورونا ایک وبائی بیماری ہے جو کہ انسانی آبادی میں نئی نئی ظاہر ہوئی ہے، یہ وبائی عناصر جیسا کہ وائرس بیکٹر یا، یا پیراسائٹس کے ذریعے لگ سکتے ہیں۔ جس کے انسانی آبادی میں پہلے سے قوت مدافعت کم یا نہیں ہوتی ہے، یہ ایک بڑی شرح اموات اور مریضانہ حالت پر ہوسکتی ہے کورونا وائرس وائرسوں کے بڑے خاندان سے متعلق ہے اور یہ حیوانات اور انسان دونوں میں پائے جاتی ہیں۔

کویڈ19 کی سب سے عام علامات میں بخار، سر درد، بے چینی، خشک کھانی، اور سانس لینے میں دشوری شامل ہیں، دیگر علامات میں ناک کی بندش، آشوب چشم، گلے کی خرابی، ذائقہ اور بو کا محسوس نہ ہونا شامل ہیں، بعض افراد وباء سے متاثر ہوجاتے ہیں لیکن ان میں نہایت معتدل سطح پر یا کم شدید علامات موجود ہوتی ہیں، معمر افراد یا ایسے افراد جن کو پہلے سے لاحق شدہ امراض جیسا کہ ہائپر ٹینشن، دل اور پھپھڑے کے مسائل، ذیابیطس یا سرطان ہو تو ان کی حالت میں ابتری کا خطرہ زیادہ بڑھ کر سنگین صورت حال میں بدل سکتا ہے۔

کورونا وائرس کی روک تھام کیلئے ضروری ہے کہ میل جول کم کریں اور عام انسانی سرگرمیاں جیسا کہ سماجی رسوم پر اکھٹے ہونے یا دیگر اجتماعات میں کمی لائیں اور جس قدر ممکن ہو دیگر افراد کے ساتھ میل جول میں مناسب فاصلہ رکھیں۔ عوامی ذریعہ نقل وحمل اختیار کرتے وقت پر ہجوم مقامات پر ٹھہرتے ہوئے سرجیکل ماسک پہن لیں، اور یہ اہم ہے کہ ہاتھوں کی صفائی کثرت سے کریں، بالخصوص منہ اور آنکھوں کو چھونے سے پہلے، کھانے سے قبل جب چھینکنے کے بعد ہاتھ تنفّسی رطوبت سے آلودہوں، چھینکنے اور کھانسنے سے قبل اپنے منہ اور ناک کو ٹیشو پیپر سے ڈھانپ لیں اور ہاتھوں کو صابن اور پانی کے ساتھ دھوئیں اور صابن کو کم از کم 20 سیکنڈ تک ہاتھوں پر ملیں۔

انکیوبیشن دورانیہ کا مطلب وائرس کے لگ جانے اور اس بیماری کی علامات ظاہر ہونے کے درمیان کا وقت ہے کورونا وائرس کے انکیوبیشن پیریڈ کا زیادہ تر دورانیہ 1 سے 14 دن تک ہوتا ہے، عام طور پر 15 دن کے لگ بھگ ہے۔

دنیا کے تمام ممالک کی طرح پاکستان بھی اس مشکل گھڑی سے نکلنے کیلئے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے اور بڑے پیمانے پر عوام کو ویکسینیشن کے ڈوسز دیئے جا رہے ہیں اور گمان ظاہر کیا جا رہا ہے کہ ویکسینیشن لگانے کے بعد وائرس کا حملہ زیادہ مہلک نہیں ہوگا۔

دنیا بھر میں کورونا وائرس کی تباہ کاریوں نے نا صرف دنیا بدل کر رکھ دی ہے بلکہ کارِ دنیا ہی کو لپیٹ میں لے لیا ہے اس وباء کے وار سے پاکستان بھی محفوظ نہیں رہ سکا اور دیگر کاروبارِ زندگی کے ساتھ تعلیمی اداروں کو بھی تالا لگ گیا کورونا وبائی مرض کے باعث زندگی کے تمام شعبے حد درجہ متاثر ہوئے، اور سب سے زیادہ متاثر ہونیوالا تعلیم کا شعبہ ہے وبائی مرض کی وجہ سے پیدا شدہ اندیشوں اور خدشات کے اطمینان بخش جواب آج بھی سائنسی علوم کے ماہرین کے پاس موجود نہیں ہے، اندیشو ں، خدشات اور مفروضات کے نرغے میں پھنسے انسان نے اس کا واحد اور موثر حل لاک ڈاؤن جان کر دنیا بھر میں کاروبار زندگی پر لگام کس دی اور یک لخت ساری دنیا کو ساکت وجامد کر دیا، اس کے باوجود بھی وباء کے پھیلاؤں میں کوئی کمی نظر نہیں آ رہی ہے وباء سے پیدا شدہ تعلیمی بحران وخلاء نے جہاں دنیا بھر کے طلبہ کو نا قابل تلافی نقصان سے دور چار کر دیا وہیں تعلیمی اداروں سے منسلک افراد بھی لاک ڈاؤن کی وجہ سے متعدد مسائل کے شکار ہوگئے ہیں طلبہ کا سکول روز آنا جانا روزمرہ کی سکول سرگرمیاں درس واکتساب، ہوم ورک، نصابی و ہم نصابی سرگرمیوں، تفریحی و مطالعاتی سرگرمیاں وغیرہ طالب علم کی زندگی کا اٹوٹ حصے ہیں جو اب کورونا کی وجہ سے مجروح ہوگئے ہیں۔

خدا اپنی حکمت کے تحت خیر میں سے شر اور شر میں سے خیر نکالتا ہے، کورونا وباء کے نتیجے میں جہاں ہلاکتیں ہوئیں اور دنیا بھر کا کاروبار زندگی درہم برہم ہوا ہے اور بے تحاشہ نقصان ہوا وہیں اس کے کچھ مثبت پہلو بھی ہو سکتے ہیں ظاہر ہے یہ تصویر کا دوسرا رخ ہے اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم سب بوڑھے بچے مرد وعورت اللہ سے لو لگاتے ہوئے صبر و نماز کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے کورونا کے خاتمے کیلئے دعائیں مانگیں۔

FIGHT COVID-19 ...like a superhero!

''ڈرنا نہیں، مقابلہ کرنا ہے''

ذوالفقار علی بخاری

''ان بچوں کا میں کیا کروں''۔

صغراں بی بی نے عبدالقادر صاحب سے کہا۔

''بچے ہیں کھیلنے دو''۔

عبدالقادر صاحب نے ہنستے ہوئے کہا۔

''جب سے اسکول کیا بند ہوئے ہیں، انہوں نے تو پڑھنا ہی چھوڑ دیا ہے''۔

صغراں بی بی نے اُداسی کے لہجے میں کہا۔

''آپ کی بات سے متفق ہوں، مگر یہ گھر پر ہیں تو ان کی تعلیم و تربیت پھر بھی کی جاسکتی ہے۔اس کے لئے ٹائم ٹیبل ترتیب دیجئے''۔

عبدالقادر صاحب نے کچھ سوچنے کے بعد عرض کی تو صغراں بی بی کچھ سوچنے لگیں۔

اگلے ہی دن سے بچوں کے ایک مخصوص وقت پر کھیلنے ،سونے اور پڑھنے کے اوقات مقرر ہو چکے تھے۔کرونا کی وباء نے روزمرہ کے معمولات کو متاثر کیا تھا مگر زندگی کو کسی طرح سے گذارنا ہی تھا۔صغراں بی بی کے فیصلے کو دیگر ہمسائیوں نے بھی اپنا لیا تھا اور یوں شہر بھر میں بچوں میں اس مرض میں مبتلا ہونے کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔

☆☆☆☆☆

''ہم اب کیا کریں گے؟''۔

علی احمد بولا۔

''کرنا کیا ہے، گھر بیٹھیں گے، مزے کریں گے''۔

شاہ زیب نے کہا۔

''جو بھی ہو، ہمیں احتیاط کرنی ہے''۔

سلیمان نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''کہیں یہ کرونا ہمیں کچھ کر نا دے''۔

اقرار نے گھبراتے ہوئے کہا۔

اقرار کی بات سنتے ہی چاروں دوست خاموش ہو گئے تھے۔

جب سے کرونا وائرس کی وباء نے ملک میں اپنے گھناؤنے اثرات دکھانے شروع کیے تھے،حکومت نے حفاظتی اقدامات کے تحت اسکول بند کر دیے تھے۔اسی وجہ سے علی احمد، شاہ زیب، سلیمان اور اقرار جیسے بچے جہاں کچھ خوشی منا رہے تھے وہیں قدرے ڈرے ہوئے تھے کہ وہ اس کا شکار نہ ہو جائیں۔ان کا کہیں بھی آنا جانا کم ہو چکا تھا جس کی وجہ سے اب وہ ذہنی طور پر خود کو قدرے سہما ہوا سا محسوس کرنے لگے تھے۔کچھ بچوں نے خوف کو سر پر سوار کر لیا تھا جس کی وجہ سے اُن کا کھانا پینا بھی کم ہو چکا تھا جس کی وجہ سے اکثر بچے پیٹ کی بیماری میں مبتلا ہو رہے تھے۔

انہی دنوں میں حکومت کی جانب سے تشہیری مہم چلائی گئی تھی جس کے بعد والدین نے سکھ کا سانس لیا تھا کہ اُس میں بتایا گیا تھا کہ کس طرح سے بچوں کی صحت کو برقرار رکھنا ہے،جس کے بعد بچوں کے اندر سے خوف بتدریج ختم ہو رہا تھا۔

☆☆☆☆☆

چاروں دوستوں علی احمد، شاہ زیب، اقرار اور سلیمان کی ملاقات کے چند دنوں کے بعد اسکول کھلنے کا اعلان ہوا، والدین کے ساتھ وہ بھی خوش ہو چکے تھے کہ چلو اب ٹھیک سے پڑھائی شروع ہو جائے گی۔

جونہی وہ اسکول پہنچے تو معلوم ہوا تمام طلبہ ایک قطار میں فاصلے قائم رکھتے ہوئے منہ پر ماسک لگائے کھڑے ہیں۔

اسکول کے پرنسپل صاحب بچوں سے خطاب کے لئے موجود تھے۔جونہی وہ قطار میں کھڑے ہوئے انہوں نے تقریر کرنا شروع کر دی تھی، گویا جیسے ان کے ہی انتظار میں تھے۔

پرنسپل رحمت اللہ درانی صاحب بول رہے تھے۔

''پیارے بچوں! اس مرض کرونا وائرس سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔اپنی قوت مدافعت کو زیادہ کرنے کے لئے آرام کیجئے۔یہ جس قدر زیادہ ہوگی ہر بیماری کا آپ مقابلہ کر سکیں گے، اچھی خوراک کا استعمال کریں اور سب سے بہترین عمل تو یہی ہے کہ آپ پنجگانہ نماز کی ادائیگی کرنا شروع کر دیں، یہ مرض آپ سے بہت دور رہے گا کہ صفائی تو یوں بھی نصف ایمان ہے۔ہاتھوں کو بار بار دھونا اور میل جول کم ہوگا تو متاثرہ فرد سے آپ کے متاثر ہونے کے مواقع کم ہو جائیں گے۔اس کے لئے محض حکومتی اقدامات کافی نہیں ہیں بلکہ اس کے لئے کچھ کام آپ کو بھی کرنا ہوگا، یعنی جب تک آپ کچھ نہیں کریں گے تو تب تک یہ کرونا وائرس آپ سے دور نہیں رہے گا، تو اپنوں اور دوسروں کی زندگیوں کو متاثر کرنے یا خود ہونے سے باز رہنے کے احتیاطی تدابیر پر عمل کیجئے''۔

تمام بچوں نے اس بات کو سمجھ لیا تھا کہ بچاؤ ہی بہترین علاج ہے مگر علی احمد، شاہ زیب اور سلیمان کی مانند کچھ بچے ابھی اس کرونا وائرس کو سنجیدہ نہیں لے رہے تھے۔

اسکول چند دنوں کے بعد بند ہو گیا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اقرار کو کروناء نے جکڑ لیا تھا۔

اُس کو خوف تھا کہ کہیں یہ اُسے نہ ہو جائے اور پھر ایک دن اُس کی بے احتیاطی نے اُسے ہسپتال پہنچا دیا تھا۔

اقرارء کے ابو نے کہا بھی تھا کہ عید کی شاپنگ کرنے کے لئے جانا ہے تو منہ پر ماسک لگا لو، مگر اُس نے سنی ان سنی کر دی تھی اور پھر اُس نے اگلے دن دیگر بچوں کے ساتھ اسکول میں آ کر کھیلنا شروع بھی کر دیا تھا جس کی وجہ سے وہ بھی شکار ہو گئے اور پھر شہر بھر میں خوف و ہراس پھیل گیا تھا۔علی احمد، سلیمان اور شاہ زیب نے اقرار کے ہسپتال جاتے ہی خود کو گھر میں قید کر لیا تھا۔

اقرار خوف زدہ ہو چکا تھا تب ہی اُس کے والد صاحب اُسے ماہر نفسیات کے پاس لے گئے جنہوں نے اس کے خوف کو زائل کیا اور یوں اقرار میں پھر سے یہ حوصلہ پیدا ہو گیا کہ وہ اس موذی وباء کا مقابلہ کر سکے اُس نے یہ دیکھ لیا تھا کہ اگر احتیاط کر لی جائے تو پھر کوئی بھی بیماری ہونے سے بچا جا سکتا ہے۔

FIGHT COVID-19 ...like a superhero!

نصیرالدین طوسی

ابوجعفر محمد بن محمد بن الحسن جو نصیرالدین طوسی کے نام سے معروف ہیں ایران کے شہر طوس میں فروری 1201ء میں پیدا ہوئے ان کا نام فلکیات ، ریاضی ، معدنیات، منطق، فلسفہ، اخلاقیات اور دینیات کے ماہر کی حیثیت سے جانا جاتا ہے، ان کے دور کے علماء انہیں محقق طوسی، خواجہ طوسی اور خواجہ نصیر کے ناموں سے یاد کرتے تھے۔

طوس اور مشاہیر اسلام

تاریخی شہر طوس ایرانی صوبہ خراسان رضاوی کے دار الحکومت مشہد کے شمال میں کچھ فاصلے پر واقع ہے تاریخ اسلام کی مشہور شخصیات اس شہر سے منصوب ہیں پانچویں عباسی خلیفہ ہارون الرشید نے 809ء میں طوس میں وفات پائی، امام غزالی، ملک شاہ سلجوقی کا وزیر نظام الملک، عظیم شاعر فردوسی اور اسمعیلی فرقہ حشیشیین (Assassins) کا بانی حسن بن صباح طوس ہی میں پیدا ہوئے تھے۔

ہلاکو خان اور طوسی

1256ء میں ہلاکو خان تاتاری نے قلعہ الموت پر یلغار کر کے شمالی ایران کو اسمعیلی ریاست کا خاتمہ کر دیا۔ ہلاکو خان نصیرالدین طوسی کے ساتھ احترام سے پیش آیا اور انہیں اپنا علمی مشیر مقرر کر لیا کہا جاتا ہے کہ انہی دونوں نصیرالدین طوسی نے عباسی دربار کے وزیر موئید الدین علقمی کے مشورے سے ہلاکو خان کو بغداد پر حملے پر آمادہ کیا تھا، چنانچہ 1258ء میں ہلاکو خان نے جب بغداد فتح کیا تو نصیرالدین طوسی اس کے ہمراہ تھے، انہوں نے تاتاری وحشیوں سے کئی علماء کی جان بچائی۔

نصیرالدین طوسی کی تعلیم و تربیت

نصیرالدین طوسی نے دینی علوم اپنے والد محمد طوسی سے حاصل کئے نصیرالدین نے طوس نے دینی علوم اپنے والد محمد طوسی سے حاصل کئے۔ نصیرالدین نے طوس ہی میں اپنے ماموں سے منطق قدرتی فلسفے اور مابعد الطبیعیات (Metaphysics) کی تعلیم پائی پھر وہ نیشاپور چلے آئے جو ان دنوں ایک بہت بڑا علمی مرکز تھا یہاں انہوں نے فریدالدین داماد سے فلسفہ پڑھا جو بو علی سینا کی اولاد میں سے تھے، اسی طرح قطب الدین المصری سے ابن سینا کی مشہور تصنیف القانون فی الطب کا درس لیا، انہوں نے امام فخر الدین رازی (وفات 1209ء) کی بھی شاگردی اختیار کی اور کمال الدین ابن یونس (وفات 1242ء) سے ریاضی اور فلکیات اور محمد حاسب سے ریاضی کے مسائل سیکھے۔

نیشاپور میں وہ مشہور صوفی شاعر فریدالدین عطار سے بھی ملے جنہیں بعد میں تاتاریوں نے شہید کر دیا۔

طوسی قلعہ الموت میں

چنگیز خان کی قیادت میں تاتاریوں نے سمرقند، بخارا، خوارزم، بلخ، ہرات اور طوس جیسے شہر برباد کر ڈالے تو نصیر الدین نیشاپور سے کوہستان (قہستان) کے گورنر ناصر الدین محتشم کے پاس چلے آئے۔ 1232ء میں انہوں نے محتشم کیلئے اخلاق ناصری نامی کتاب لکھی۔ 1236ء میں وہ مشہور قلعہ الموت میں مقیم ہوئے جہاں ان کی پوزیشن اسمعیلیوں کے قیدی کی سی تھی، الموت میں انہوں نے دو کتابیں اساس القتباس (منطق) اور رسالہ معینیہ (فلکیات) لکھیں جس سے ان کی شہرت چین تک جا پہنچی۔

طوسی شہرت کے آسمان پر

چاند کی سطح پر ایک آتش فشانی دہانہ (Crater) 52 کلومیٹر چوڑا ہے، علم فلکیات میں نصیرالدین طوسی کی خدمات کے

اعتراف میں اس دہانے کا نام نصیر الدین رکھا گیا ہے۔

1979ء میں روسی ماہر فلکیات نکولائی نے ایک ننھا سیارہ (Asteroid) دریافت کیا جس کا نام اس نے 10269 طوسی رکھا۔

ایران کے شہر مشہد میں خواجہ نصیر الدین طوسی یونیورسٹی آف ٹیکنالوجی ان کے نام سے منسوب ہے جمہوریہ آذر بائیجان کے شہر شاخہ میں رصدگاہ طوسی تعمیر کی گئی ہے۔

زیج ایل خانی اور طوسی جوڑا

طوسی نے رصدگاہ مراغہ کے مشاہدات زیج ایل خانی میں لکھے۔ اس میں ستاروں اور سیاروں کی حرکات، ان کی پوزیشنیں اور ان کے نام بیان کئے گئے ہیں ان کا تیار کردہ سیاروں کے نظام کا ماڈل اپنے وقت کا جدید ترین ماڈل تھا۔ اس میں استعمال کی گئی ہندسی تکنیک، طوسی جوڑا (Tusi couple) کہلاتی ہے، یہ زیج ہلاکو خان کے جانشین اباقہ کے عہد میں 1272ء میں مکمل ہوئی طوسی نے زیج ایل خانی فارسی میں لکھی تھی اس کا لاطینی ترجمہ جان گریوس نے کیا جو 1650ء میں لندن سے شائع ہوا۔

کیمیا اور طبعیات میں طوسی کا کارنامہ

طوسی نے ایک طرح کا قانون بقائے مادہ بھی بیان کیا انہوں نے لکھا کہ ایک مادی جسم غائب نہیں ہوسکتا وہ صرف اپنی شکل، حالت، ساخت، رنگ اور دیگر خواص بدل سکتا ہے اور ایک مکتلف، پیچیدہ یا عنصری مادے میں بدل جاتا ہے۔ یہ گویا جدید قانون بقائے مادہ کی ابتدائی شکل ہے۔
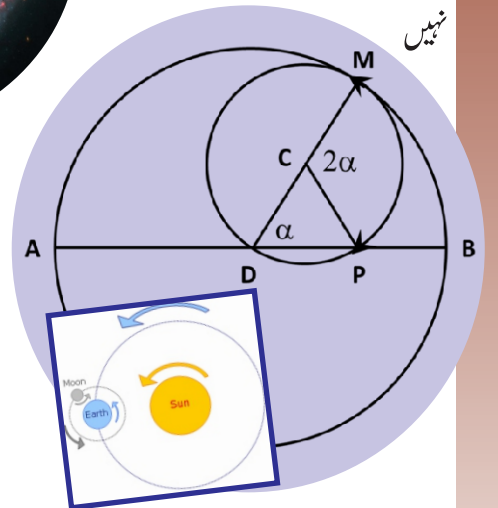
طوسی اور کوپرنیکس

طوسی نے یونانی ماہر فلکیات بطلیموس کے اس نظریے پر تنقید کی کہ زمین ساکن ہے، اس سلسلے میں طوسی نے جو دلائل دیئے ان کی بنیاد پر پولینڈ کے ماہر فلکیات کوپرنیکس نے 1543ء میں شمس مرکزی نظریہ پیش کرتے ہوئے لکھا کہ زمین سورج کے گرد گھومتی ہے۔

طوسی نے کہکشاں کی اصلیت دریافت

اپنی تصنیف التذکرہ فی علم الہیئتہ (Recollection of Astronomy) میں نصیر الدین طوسی لکھتے ہیں: کہکشاں بہت بڑی تعداد میں چھوٹے چھوٹے ستاروں کا جمگھٹ ہے جو غبار کی طرح پھیلے نظر آتے ہیں۔ اس وجہ سے انہیں رنگین دودھ سے مشابہت دی جاتی ہے۔

تین صدیوں کے بعد طوسی کے اس بیان کا ثبات مل گیا جب 1610ء میں گیلیلیو گیلیلی نے دوربین ایجاد کر کے کہکشاں کا مطالعہ کیا اور دریافت کیا کہ یہ درحقیقت کثیر تعداد میں ننھے ننھے ستاروں کا مجموعہ ہے۔

ریاضی میں طوسی کی تصانیف

ریاضی پر طوسی نے خود بھی کتابیں لکھیں، ان میں سے تین کتابیں زیادہ اہم ہیں۔

۱) جوامع الحساب بالتخت و التراب

۲) الرسالتہ الشافیہ

۳) کشف القناع فی اسرار الشکل القطاع

طوسی کی دیگر تصانیف

نصیر الدین طوسی کی تصانیف میں تقریباً 150 رسالے اور مکتوبات شامل ہیں ان میں سے 25 فارسی میں اور باقی عربی زبان میں ہیں ایک رسالہ ہندسوں کے علم پر ہے جسے طوسی نے بیک وقت عربی فارسی اور ترکی تین زبانوں میں لکھا۔ کہا جاتا ہے کہ طوسی یونانی زبان سے بھی واقف تھے انہوں نے اپنے حالات زندگی سیر و سلوک کے نام سے لکھے، معیار الاشعار ان کی شاعری کی کتاب ہے، الجبر و المقابلہ اور اصول اقلیدس کے 105 مسائل طوسی کی اہم تصانیف ہیں۔

طوسی اور ابن سینا

ابن سینا کی کتاب فلسفہ الاشارات والتنبیہات، کی شرح لکھنے میں طوسی کو 20 سال لگے۔

ابن سینا طوسی سے بہتر طبیب تھے مگر طوسی کو ریاضی اور فارسی زبان پر ابن سینا سے زیادہ عبور تھا۔ دیگر موضوعات میں طوسی اور ابن سینا تقریباً یکساں ہیں۔

طوسی نے منطق پر پانچ کتابیں لکھیں ان میں اہم ترین کتاب اساس الاقتباس فارسی میں لکھی گئی۔

تعلیقہ بر قانون ابن سینا فارسی میں ہے جس میں طوسی نے القانون کی تشریح کی ہے۔

نصیر الدین طوسی کی رحلت

طوسی مئی 1274ء میں بغداد میں تھے کہ بیمار ہوئے اور ایک ماہ بعد وفات پا گئے وہ نواحی بستی کاظمیہ میں مزار امام موسیٰ کاظم کے پاس دفن ہوئے ان کی قبر کے کتبے پر لکھا ہے۔

”مذہب و ملت کا مددگار اقلیم سائنس کا
تاج دار ایسا فرزند کبھی پیدا نہیں ہوا تھا“

"کورونا"

ڈاکٹر اسحاق وردگ

اک جنگ ہے کہ جس کا گماں ہم کو نہیں تھا
انسان تہی دست ہے مجبور ہے افسوس
بارود بھی اس جنگ میں کام آتا نہیں ہے
ہتھیار کے ہوتے ہوئے کچھ ہو نہیں سکتا
انسان پریشان ہے بس خوف میں گم ہے
دشمن کی کوئی چال سمجھ ہی نہیں آتی
دنیا کو بناتا ہوا بچوں کا کھلونا
آگے ہی بڑھا جاتا ہے افسوس کرونا
مشرق سے اٹھا اور بڑھا جانب مغرب
دیکھو کسی سرحد پہ رکا ہی نہیں اب تک
انسان کے آگے تو جھکا ہی نہیں اب تک
اس دکھ کا مداوا نظر آتا ہی نہیں ہے
تقدیر سے تدبیر تلک سارے مسالک
سر جوڑ کے بیٹھے ہیں کہ کچھ کر نہیں سکتے
حیران ہیں دنیا پہ عجب وقت پڑا ہے
محصور ہے ہر شخص قیامت کی گھڑی ہے
یعنی یہ لڑائی تو توقع سے بڑی ہے
بس ایک ہی رستہ ہے کہ دنیا کے سبھی لوگ
دشمن کے مقابل ابھی گھر ہی سے لڑیں گے
گھر میں جو رہیں گے تو بچیں گے بھی وہی لوگ
جو سامنے آئیں گے تو مر جائیں گے آخر
مشرق ہو کہ مغرب ہو سبھی لوگ ہیں محصور
بازار ہیں خاموش تو گلیوں پہ ہے سکتہ
اب شہر میں تنہائی کا ڈر بول رہا ہے

"کرونا کی کہانی"

احمد حاطب صدیقی

جب ہم بڑے ہو جائیں گے
دادا میاں کہلائیں گے
کچھ ڈگمگا کر آئیں گے
پھر ڈگمگاتے جائیں گے
موٹی سی عینک ناک پر
رکھتے ہوئے گھبرائیں گے
بچوں کا ادھم دیکھ کر
چیخیں گے اور چلائیں گے
وہ ڈر کے جب رونے لگیں
ہم ان کا جی بہلائیں گے
مٹی میں مت کھیلا کرو
یوں پیار سے سمجھائیں گے
جو گندگی میں جائیں گے
بیمار وہ پڑ جائیں گے
بیٹھو یہاں آرام سے
اِک بات ہم بتلائیں گے
اب غور سے سننا ذرا
چھوٹے تھے ہم تو کیا ہوا

اک دن اچانک چین سے
دنیا میں پھیلی اِک وبا
اور دیکھتے ہی دیکھتے
لاکھوں ہوئے اس میں فنا
تیزی سے پھیلا یہ مرض
جس کا کرونا نام تھا
انسان سے انسان کو
چھونے سے بڑھتا ہی گیا
غیروں سے کیا؟ اپنوں سے بھی
کوئی بشر ملتا نہ تھا
ہر شخص گھر میں قید تھا
دنیا میں سناٹا ہوا
اسکول، کالج، مارکیٹ
ہر چیز پر تالا پڑا
گاڑی، جہاز اور ریلوے
سب بند کچھ چلتا نہ تھا
مومن ہو یا کافر کوئی
ہر ایک سجدے میں گرا
اللہ کی رحمت نے پھر
ٹالی کسی صورت بلا
لیکن یہ انساں آج بھی
ہے رب کا ناشکرا بڑا

☆☆☆☆☆

بُدھو کہیں کا

روبینہ عبدالقدیر

ہر کسی کی زندگی میں ایک نہ ایک آپی یا باجی ہوتی ہیں۔لیکن ہم شاید بہت زیادہ خوش قسمت ہیں ہماری یک نہ شد تین آپیاں تھیں۔اور ستم ظریفی تو یہ کہ سب سے چھوٹے ہونے کی وجہ سے ہم پر ہر طرح کے تجربات بھی کیے جاتے تھے۔

سب سے بڑی آپی جنہیں گھر والے پیار سے ''منی'' کہا کرتے تھے۔ہمارے لیے انہیں منی کہنا جرم تھا۔منی آپی کو بچپن سے ہی استانی بننے کا بہت شوق تھا۔آٹھویں جماعت میں انگریزی کے مضمون میں تین بار فیل ہونے پر انہیں باعزت اسکول سے بری کر دیا گیا تھا۔اب وہ ہوتیں اور ہم ہوتے۔

آٹھ سالہ تعلیمی تجربہ وہ ہم پر دل و جان سے وار رہی تھیں۔کیونکہ ہم ان سے لگ بھگ پندرہ سال چھوٹے تھے،اس لیے ان کی عظیم اور واحد شاگرد بننے کا اعزاز بھی ہمارے سر جاتا ہے۔"ایک ہزار " کی انگریزی اسپیلنگ میں ہمیں ہر حرف کے بدلے ایک تھپڑ لگایا جاتا۔اس تعلیمی سفر میں منی آپی نے ہمیں "بدھو " نام سے نوازا جو آج تک ہمارے ساتھ جڑا ہوا ہے۔اتنے تھپڑ کھانے کے بعد ہمیں ایک ہزار کی اسپیلنگ ازبر ہوگئی تھی۔شاید وہ اسپیلنگ ہمیں ہمیشہ یاد رہتی اگر ایک دن ابا جان ہمارا امتحان نہ لے لیتے۔"ہاں بھئی منی نے کتنا پڑھایا ہے ذرا سنا۔ "بجلی کی لوڈ شیڈنگ میں جب وی سی آر بند ہوا تو ابا کو ہمارا خیال آیا۔ہم نے فر فر ایک ہزار کی اسپیلنگ سنا دی۔اس سے پہلے کہ ابا جان جلال میں آتے انہیں یاد آ گیا کہ ہماری استانی "منی آپی "ہیں۔لہذا ہمیں بخش کر انہیں دھر لیا گیا۔منی آپی کی انگریزی کی حالت زار موجودہ مہنگائی کی صورتحال سے زیادہ نازک تھی۔

ان کی نازک حالت کے پیش نظر ابا جان نے انہیں خود پڑھانے کا عندیہ دیا۔اور منی آپی نے اس عندیے پر ہمیں خشمگیں نظروں سے گھورا۔لیکن ان کی گھوریوں میں ہمیں بڑا بڑا"بدھو کہیں کا " نظر آ رہا تھا۔

کیونکہ پڑھانے کی شوقین منی آپی خود پڑھنے میں چور تھیں! بہر حال ابا جان سے پڑھنے کے بعد منی آپی ہمیں پڑھاتیں۔اور تب تک پڑھاتی رہیں جب تک ہم اسکول میں داخل نہیں ہوگئے۔اس کے کچھ عرصے بعد وہ پیا دیس سدھار گئیں اور اب اپنے منے کو ہمارے پاس پڑھنے بھیجتی ہیں۔جو ہو بہو ہماری طرح ہے یعنی "بدھو کہیں کا"۔منجھلی آپی "ببلی " کے نام سے جانی پہچانی جاتی تھیں۔گول مٹول چہرے پر موٹے شیشوں والی عینک کے پیچھے سے گھورتی دو چنی منی سی چینی آنکھیں ہر وقت کسی کھوج میں مصروف رہتیں۔لیکن اس کھوج میں ہمیں کھوجی کا عہدہ حاصل تھا۔اکثر ہمیں پڑوس والی میٹھی آپا کے پاس سراغ رسانی کے لیے بھیجا جاتا اور بطور خاص ہدایت کی جاتی ''کھیلتے ہوئے جا اور دیکھ کر آ میٹھی آپا کے پاس کوئی رسالہ تو نہیں۔اور ہم صدا کے فرماں بردار کھوج لگا کر آتے اور بتاتے۔

پھر ایک دن میٹھی آپا نے ہمیں دھر ہی لیا۔آخر ان کے پاس آنے والے ہر نئے ڈائجسٹ کی خبر ببلی آپی تک کیسے پہنچ جاتی تھی؟ کبھی ہمیں دروازے پر چوکیدار بنا کر کھڑا کر دیتیں کہ یہاں کھڑے ہو جا اور جیسے ہی امی جان آنے لگیں زور سے کھانسنے لگ جانا۔

خود وہ ڈائجسٹ پڑھنے میں مصروف ہو جاتیں۔اب امی جان جوں ہی کہیں دکھائی دیتیں حفظ ما تقدم کے طور پر ہماری زوردار کھوں کھوں نکل جاتی بلکہ بہت بار "اتھو " لگ جاتا۔پھر ببلی آپی کے ساتھ سب گھر والے ہی چوکنے ہو جاتے۔ ہماری کھانسی کو کبھی دمہ سے ملایا جاتا تو کبھی ٹی بی سے۔لیکن ببلی آپی کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں غصے بھری مرچیں ہمیں گھور رہی ہوتیں جو پکار پکار کر کہہ رہی ہوتیں "بدھو کہیں کا"،اور ہماری اس کھانسی کا اختتام آنسوؤں کی برسات کے ساتھ ہوتا۔ہماری بچپن کی کھوجی ٹریننگ اس قدر پختہ ہوگئی تھی کہ ہمیں یقین ہو چلا تھا کہ بڑے ہو کر ہم بطور جاسوسی ایجنٹ فوج میں بھرتی ہو جائیں گے۔خود کو خیالوں میں وردی میں ملبوس جاسوسی افسر کی طرح چلتے دیکھ کر ہم حضرت شیخ چلی سے دو قدم آگے نکل پڑتے۔لیکن ہماری سب سے چھوٹی آپی "چٹکی آپی "نے ہمارا یہ منصوبہ چٹکیوں میں اڑا دیا۔ہماری تربیت میں چٹکی آپی کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔بڑی دونوں آپاں کی شادی ہو جانے کے بعد چٹکی آپی کا واحد مشغلہ و مصروفیت ہماری تربیت ہی تھی۔

"وہ دیکھو !چاند چل رہا ہے۔ "ہمیں چاند دکھا کر تجسس میں ڈال دیا جاتا۔تجربے کے لیے ہم چاند کے ساتھ چلتے بلکہ کبھی دوڑنے لگ جاتے اور حیرانی کی بات تھی کہ جہاں بھی ہم جاتے چاند ہمارے سے پہلے پہنچا ہوتا !اور ہمیں چاند کے ساتھ چلتے دیکھ کر چٹکی آپی قہقہہ لگاتیں اور بڑبڑانے لگ جاتیں "بدھو کہیں کا "۔چٹکی آپی سے ہماری لڑائیاں بھی خوب رہیں۔ایک بار لڑائی کے دوران ہمارے منہ سے کوئی گالی نکل گئی۔لیکن چٹکی آپی نے گالی کے جواب میں ہمیں کچھ بھی نہیں کہا۔ہمیں ان کی پراسرار خاموشی کے پیچھے ایک طوفان چھپا ہوا نظر آ رہا تھا۔

"تمہاری گالی کی شکایت ابا جان سے لگاؤں گی،تب تمہیں پتا چلے گا کہ گالی دینا کیا ہوتا ہے؟ "اور ابا جان کو بتانے والی دھمکی سن کر ہمارا خون خشک ہو گیا۔ہمارے ابا جان اولاد کی تربیت میں لحاظ مروت کے قائل نہ تھے۔غلطی پر دھلائی کرنے سے کتراتے نہیں تھے۔ہمیں خیالوں میں ابا جان کے ہاتھ میں ڈنڈا اور اپنی دھلائی نظر آ رہی تھی۔

اس دن ہم نے پہلی بار ادب و احترام کا عالمی ریکارڈ قائم کرتے ہوئے اپنی دشمن آپی سے معافی مانگی،ان کا ہر کہنا مانا اور ایک اچھے بچے کی طرح ہمیشہ کے لیے گالی دینے سے توبہ کر لی۔لیکن چٹکی آپی ہمارا خیال بھی بہت رکھا کرتی تھیں۔ذرا کسی نے ہم سے جھگڑا کیا چٹکی آپی نے ہمارا پورا بدلہ اتارنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔

یہی وجہ ہے کہ جب ہماری چٹکی آپا رخصت ہو رہی تھیں ہم بہت روئے تھے اور دلہن بنی چٹکی آپا نے ہمیں روتا دیکھ کر ہنستے ہوئے ہمارے سر پر چپت لگاتے ہوئے کہا تھا ''بدھو کہیں کا''۔ہماری پیاری آپیاں آج ہم سے بہت دور اپنے گھروں میں ہیں اور ہم انہیں یاد کر کے دل ہی دل میں کہتے ہیں"بدھو کہیں کا"۔

☆☆☆

بھائی جان سے پوچھیے

”شاہینو! آپ کا بھائی جان بہت ہی فارغ، بے کار بیٹھا بور ہو رہا ہے۔ آپ اسے اپنے شرارتی سوالات سے جتنا تنگ کر سکتے ہیں کریں۔ سوالات کو پن پر لکھ کر بھیجیں اور بھائی جان کی ناک میں دم کر کے رکھ دیں۔“

اویس جاوید (ضلع خیبر): نسوار کو انگریزی میں کیا کہتے ہیں؟

بھائی جان: نسوار کے معاملے میں انگریزی علم نا کافی ہے۔

☆☆☆

جواد خان (ضلع خیبر): بھائی جان! کیا آپ کو معلوم ہے کہ میں بد معاش ہوں؟

بھائی جان: تو آپ کو پتہ ہے کہ میں میں آپ جیسوں کا بھائی جان ہوں؟

☆☆☆

یاسین عمر (حسن خیل پشاور): بھائی جان آپ وقت کی پابندی کیوں نہیں کرتے؟

بھائی جان: جو لوگ حکم الٰہی کی پابندی کرتے ہیں، وقت ان کی پابندی کرتا ہے۔

☆☆☆

ریان فاروق (حسن خیل پشاور): بھائی جان آپ صبح دیر سے کیوں اٹھتے ہیں؟

بھائی جان: جی نہیں آپ نے غلط سنا ہے میں صبح دیر سے نہیں بستر سے اٹھتا ہوں؟

☆☆☆

ساحل شنواری (ضلع خیبر): بھائی جان میں بہت شریف ہوں یہ کیوں؟

بھائی جان: کیونکہ آپ شاہین پڑھتے ہیں۔

☆☆☆

امجد گل (ضلع خیبر): بھائی جان آپ کبھی لاجواب ہوئے ہیں؟

بھائی جان: آپ کا بھائی جان جواب دینے میں لاجواب ہے۔

☆☆☆

شہاب خان (ضلع خیبر): آپ کو صبح اٹھ کر پہلی ٹینشن کیا ہوتی ہے؟

بھائی جان: آپ کے سوالات سننا اور جوابات سوچنا۔

☆☆☆

اویس جاوید (ضلع خیبر): بھائی جان کیا آپ کرکٹ کھیلتے ہیں۔

بھائی جان: کوڑا کرکٹ؟ وہ تو ہم پھینکتے ہیں۔

☆☆☆

وصال امجد (ضلع خیبر): بھائی جان مصباح اور آفریدی میں کیا فرق ہے؟

بھائی جان: وہی جو میرے اور آپ میں ہے۔

☆☆☆

ارسلان خلیل: بھائی جان آپ ہنس مکھ ہیں یا غصے والے؟

بھائی جان: جی نہیں میں تو مکھن خور ہوں۔

تصنیف ریاض (بنوں): کیا آپ جہاد کرنے فلسطین جائیں گے؟

بھائی جان: پہلے کرایہ دیں پھر سوچوں گا۔

☆☆☆

محمد ریان (بنوں): بھائی جان مینار پاکستان کی کتنی سیڑھیاں ہیں؟

بھائی جان: او بھائی لفٹ کا زمانہ ہے۔

☆☆☆

صفت اللہ خان (بنوں): تعلیم کا کیا مقصد ہے؟

بھائی جان: انسان کو صحیح معنوں میں انسان بنانا۔

☆☆☆

شہاب حسین (لکی مروت): بھائی جان آپ نے کبھی مرا ہوا ہاتھی دیکھا ہے؟

بھائی جان: زندہ نہیں دیکھا تو مردا کہاں دیکھیں؟

☆☆☆

مظہر حسین (لکی مروت): بھائی جان! آپ شیخ چلی کے کیا لگتے ہیں؟

بھائی جان: دادی سے پوچھ کہ بتاتا ہوں۔

☆☆☆

انس وقار (اپر دیر): بھائی جان میں پاکستان کا صدر کب بن جاؤں گا؟

بھائی جان: ارے میں بھی یہی سوچ رہا ہوں؟

☆☆☆

FIGHT COVID-19 ...like a superhero!

مزدور ماں

مہوش خولہ راو، ٹنڈوالہ یار

حمیرا بیس گھنٹے کی جو ڈیوٹی کر کے بستر پر لیٹی تو جسم تھک کر چور تھا یہ وہ ڈیوٹی تھی جو وہ دل و جان سے نبھاتی تھی بلکہ یہ مزدوری اسے مزدوری ہی نہ لگتی۔اسکی نیند کئی برس گزرے چار پانچ گھنٹے سے زیادہ نہ تھی بلکہ پانچ گھنٹے اسکی عیاشی کی نیند تھی۔سخت دنوں میں تین گھنٹے کی نیند بھی غنیمت تھی۔

شکر ہے ابیہا نے کسی طریقے سے کھانا تو کھایا ابیہا سے چھوٹی چونکہ پچھلے دنوں میکے رہ کر گئی تھی اس لیے ہی ابیہا زنیرا سے کھانا کھانے کی ضد کر رہی تھی۔سوچوں میں گم حمیرا غافل ہونے والی تھی کہ موبائل اسکرین پر زنیرہ کا نام جگمگایا کال ریسیو کر کے تھکے ماندے لہجے میں ہیلو کہا دوسری طرف زنیرہ مصروف سے لہجے میں بولی جی امی ہو گئیں فارغ ابیہا نے ضد ختم کی کھانا کھا لیا۔اتنے بہت سے سوال کا حمیرا نے اک ہاں میں جواب دیا۔

اچھا پھر آپ آرام کریں صبح بات ہوتی ہے۔حمیرا اپنے میاں نعمان چار بچے ابیہا ،طلحہ،زنیرہ،عثمان کے ساتھ خوبصورت پوش علاقے میں بنے ڈبل اسٹوری گھر میں رہائش پذیر تھی۔اوپر کے پورشن کو اپنے دو غیر صحت مند بچوں کے لیے سیٹ کیا ہوا تھا۔ان ہی بچوں کی وجہ سے دونوں میاں بیوی اوپر مقیم تھے نچلی منزل میں زنیرہ اور عثمان رہا کرتے اب زنیرہ کی شادی کے بعد عثمان اکیلا ہی ہوتا سیڑھیاں طے کر کے اوپر چڑھو تو بائیں ہاتھ پر دو کمرے تھے ایک میں حمیرا اپنے میاں کے ساتھ دوسرے کمرے میں طلحہ ابیہا کی ضروریات کا ہر سامان تھا۔

انکے کپڑے جو نیکرز شرٹس پر مشتمل تھے۔پیمپرز،خوشبوئیں ،وائپس ادویات مختلف میڈی کیٹڈ سامان وہیل چیئرز واکرز غرض سہولت کا ہر سامان تھا مکمل پورشن ہی ابیہا طلحہ کے لیے مختص تھا۔حمیرا کے روم سامنے جدید بڑا سا کچن تھا حمیرا کھانا تیار کر کے انٹر کام پر عثمان کو مطلع کر دیتی وہ آ کر کھانا لے جاتا۔کچن کے بائیں طرف گرلز کا دروازہ لگا تھا اس دروازے سے اندر داخل ہوں تو طویل بڑے سے صحن کے بعد ابیہا ،طلحہ کے علیحدہ علیحدہ کمرے بنے ہوئے تھے۔ ابیہا کے کمرے میں فرنیچر نام کی کوئی شے نہ تھی وہ فرشی بستر پسند کرتی تھی۔فرنیچر اگر کبھی رکھا بھی تو جب دورہ پڑتا جنون میں توڑ پھوڑ کر کے خود کو بھی نقصان پہنچاتی۔طلحہ کے کمرے میں البتہ میڈی کیٹڈ بیڈ ،کرسی موجود تھے اس پورے حصے میں آرائش کے نام پر کچھ بھی موجود نہ تھا۔

سوائے کھیل کود کی چند بے ضرر چیزوں کے ہر ایسی جگہ جہاں سے ابیہا خود کو نقصان پہنچا سکتی تھی ٹیرس وغیرہ گرل کا جنگلہ لگا کر بند کر دی گئی تھیں لوگوں کو عموماً گھر کا یہ حصہ جیل کی طرح لگتا لیکن حمیرا نے حفاظت کے لیے کیا تھا دوسرا یہ کہ مخصوص پورشن کی وجہ یہ بھی تھی۔

کہ بے شک وہ عثمان زنیرا کو اپنے معذور بچوں کی وجہ سے ٹائم نہ دے پائی لیکن انھیں ذہنی تناؤ سے بچانا چاہتی تھی۔ ان بچوں کی زندگی کا اثر اسکے صحت مند بچوں پر پڑتا تھا۔ عثمان نے جب جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو ابیہا اسکے سامنے جن جن حالتوں میں آئی عثمان نے وارننگ دی کہ وہ ابیہا کو کہیں اور رکھیں ورنہ وہ خود پاگل خانے چلا جائے گا اسے جنون ہذیانی کیفیت میں کوئی ہوش نہ رہتا وہ عام جنون زدہ نہیں تھی۔سوائے زنیرا کے کئی دفعہ خود سمیت والدین بھائی طلحہ کو زخمی کر چکی تھی۔

لباس سے بیگانہ ہوجاتی جو جوان ہوتے بھائی کے لیے اذیت ناک تھا۔ابیہا کا ظاہر دیکھنے کے لیے بھی حوصلہ درکار تھا عجیب کراہیں ڈکاریں آتیں اسکے کمرے سے اسکی حالت دیکھ کر غیر بھی حمیرا نعمان کی آزمائش پر رو پڑتے کوئی مہمان، دوست گھر کی وحشت عجب دردناک آوازوں کی وجہ سے زیادہ وقت نہ ٹھہرتا۔صبح وقت تہجد حمیرا کی آنکھ کھلی۔ہمیشہ دونوں بہن بھائی کی صبح اسی وقت سے ہوتی۔حمیرا چور چور جسم سمیٹتے ہوئے ابیہا کے کمرے میں گئے۔

سچ ہے کہ جسم میں جوانی کی جان طاقت نہیں رہی تھی مگر اللہ ہی ہے جو ماں کو سخت سے سخت مزدوری کرنے کی ہمت دیتا ہے اور ماں اس کسان سے جو سخت زمین نرم کرتا ہے ہل چلاتا ہے وہ مزدور جو سیمنٹ گارے کنکریٹ سے چلچلاتی دھوپ میں عمارتیں کھڑی کرتا ہے ان سب سے اسکی کی ممتا اپنی مزدوری مشقت میں آگے نکل جاتی ہے۔ابیہا کی غوں غاں سے وہ اپنی سوچوں سے باہر آئی سب سے پہلے تیس برس کی بیٹی کی غلاظت کو صاف کیا طلحہ جاگ تو گیا تھا اسکی روٹین کچھ اور تھی دلیہ بنا کر ابیہا کو کھلایا عثمان کے نیپکن باندھنے لگی تھی۔کہ اسے پہلے واشروم لے جانا پڑا۔نہلا دھلا کر طلحہ کو خوشبو میں بسا کر ناشتہ کروایا روم اسپرے کر کے نہا کر نماز فجر ادا کی۔

ناشتہ بنوا کے عثمان کو انٹر کام پر اطلاع دی نعمان کاروباری سلسلے میں شہر سے باہر تھے۔کچھ دیر میں ماسی آ گئی ماسی بہت پرانی تھی اسکے سر پر کھڑا ہونے کی ضرورت نہ تھی اس پورشن میں لاکھ صفائی فنائل ائیر فریشنر مختلف صفائی سامان کے استعمال کے باوجود اک بساندسی بسی ہوئی تھی۔

ابیہا کے واویلے پر کام میں مصروف حمیرا گرتی پڑتی پہنچی وہ اپنی خاص رمز میں زنیرا کا پوچھ رہی تھی میری جان جنیلا اتنی جلدی نہیں آئے گی ابھی تو رہ کر گ ءہے حمیرا کو نخرے دکھانے والے زنیرا کے نخرے اٹھاتے۔زنیرا نے بھی اپنے ان بہن بھائیوں کی خوب خدمت کی تھی۔ہاں یہ ضرور ہوا کہ کبھی کبھی گھریلو حالات نے دکھی زندگی سے بیزار کیا ذہنی تناو بھی ہوا کرتا عثمان سخت دل نہ تھا لیکن اسکی ہمدردی طلحہ تک محدود تھی حمیرا کے یہ دونوں بچے انتہائی ذہین تھے۔

زنیرا نے ایم بی اے کیا عثمان نے جرنلزم کی تعلیم لے کر معروف چینل میں صحافت کو بطور پیشہ اپنایا۔آج ابیہا کی اٹھائیسویں سالگرہ تھی۔حمیرا اور نعمان صاحب نے سیلیبریشن کا ارادہ بنایا۔دوسرے فلور کو آرائشی سامان غباروں قمقموں فلاورز سے سجایا۔

زنیرا سسرال سے کیک اپنے ہاتھوں سے بیک کر کے لائی۔زنیرا بچوں کو عثمان کے حوالے کر کے جب ماں کے پاس کچن میں آئی تو حمیرا کھانا پکانے کے آخری مراحل میں تھی اسلام علیکم امی: تروتازہ چہکار میں سلام کیا۔وعلیکم سلام بیٹا بچوں کو بھی اوپر لے آتی ابیہا کا موڈ بہت اچھا ہے مجھ سے تو تیار بھی نہیں ہوئی تمہاری منتظر ہے جاو تیار کر کے لے آو زنیرا مڑی تو بابا بچے اور تو اور عثمان بھی سیڑھیاں چڑھتا آ رہا تھا۔زنیرا حمیرا کی آنکھیں روشن ہوگئیں۔میں بس ابھی لائی ابیہا کو زنیرا ابیہا کے رہائشی حصے کی طرف بڑھی۔پہلے طلحہ کا کمرہ آتا تھا۔طلحہ اسکی طرف ہمکنے لگا طلحہ کا چہرہ اٹھارہ سال کے خوبصورت مرد کا سا تھا لیکن جسم پانچ چھ سال کے بچے جیسا انتہائی لاغر تھا۔اس نے قریب جا کر طلحہ کو پیار کیا اس نے طلحہ کو سمجھایا کہ وہ ابیہا کو تیار کر کے اسے بھی ساتھ لے کر چلتی ہے اور پھر پارٹی میں کھائیں گے پئیں گے طلحہ کم ہی کچھ کھا سکتا تھا لیکن کھانے پینے کی چیز دیکھ کر خوش بہت ہوتا ابیہا کے کمرے میں داخل ہوئی تو عادت کے مطابق پوری گول ہو کر سکڑ سمٹ کر لیٹی تھی۔

ابیہا آپا اٹھو تو جان دیکھو تمہاری جنیلا آ گئے۔زنیرا ابیہا کو عمر میں بڑی ہونے کی وجہ سے شرارت میں آپا کہتی خود ابیہا اسے مبہم سا جنیلا کہتی۔ابیہا تو اٹھ کر نہ دے جیسے پتھر کی ہوگ ءزنیرا نے سیدھا کرنا چاہا تو زنیرا کی چیخ نکل گ ء۔ ابیہا کو گزرے آج تیسرا دن تھا جب وہ تیس برس کی ہوئی تو اس نے اپنی مزدور ماں کی مزدوری کی سختی اپنی ذات سے ختم کر دی لیکن حمیرا اللہ کی حقیقی بندی تھی اللہ کو اسکے ایمان کا امتحان مذید لینا تھا۔عثمان کی گرتی ہوئی صحت ے پیش نظر نعمان صاحب نے ضیاالدین ہاسپٹل کے مایہ ناز ڈاکٹر کے تجویز کیے ہوئے ٹیسٹ کروائے۔

تجویز کیے جانے والے ٹیسٹ ہی خطرے کی گھنٹی تھے آج ٹیسٹ رپورٹس ملنی تھیں۔ڈاکٹر بہزاد ملک صاحب کے ساتھ سیشن نے حمیرا اور نعمان کے قدموں سے زمین نکال دی انکی واحد اولاد نرینہ جو صحت مند تھی موذی مرض میں مبتلا ہوگئی تھی۔ہاسپٹل کاریڈور میں کھڑے نعمان صاحب عثمان سے چھپ کر تڑپ تڑپ کر رو رہے تھے۔ہاتھ ملتے جاتے صبر کی دعا پڑھتے جاتے۔حمیرا شوہر کے پاس آئیں دیوار سے لگ کر کھڑی ہوگئیں بے حد آہستہ سرگوشی نما آواز میں بولیں میں نے تو عثمان کی منگنی کر دی تھی چند ماہ میں شادی کرنے والی تھی کیا میں عثمان کی خوشی دیکھ سکوں گی۔

نعمان صاحب اپنا رونا بھول کر اس عظیم ماں کے آنسو اپنے ہاتھ سے سمیٹنے لگے حمیرا اللہ کم ظرف کو کبھی نہیں آزماتا خدا کی قسم تم اپنی اولاد کی ہر خوشی دیکھو گے آئے والا وقت حمیرا کے لیے نئے مشقت مزدوری لایا کبھی کیمو تھراپی سرجری ریڈی ایشن ہر مرحلہ سخت تھا۔اور ماں کی ہمت جانفشانی چوکسی کا طلبگار تھا۔اللہ تعالی نے اس مزدور ماں کی اجرت آخرت میں دینے کا فیصلہ کیا حمیرا نے رب پر ایمان و بھروسہ کر لیا کہ بیٹے کی شادی اسکی ہر خوشی اب جنت میں منائے گی۔قارئین آپ کو کیا لگتا ہے حمیرا جسکی مزدوری بڑھاپے تک کی تھی۔اس عظیم مزدور ماں کا یقین و ایمان درست تھا۔

☆☆☆

مزاح پارے

گائے کیوں نہیں اڑتی

ایک آدمی درخت کے سائے میں بیٹھا سوچ رہا تھا: ’’گائے کیوں نہیں اڑتی؟‘‘

اتنے میں اس کے سر پر کوے نے بیٹ کردی تو وہ ہڑبڑا کر بولا’’یااللہ تیرا شکر ہے کہ گائے نہیں اڑتی!‘‘

مرسلہ: محمد زوہیب، مانسہرہ

☆☆☆

پہلی بار

ایک شخص ہوٹل میں پہلی بار گیا، بیرے نے اسے دیکھتے ہوئے کہا:’’جناب کیا کھانا پسند کریں گے؟‘‘

وہ شخص بولا:’’تمہارے پاس کیا کیا ہے؟

بیرا:’’آلو مٹر، آلو گوبھی، چکن، بریانی، تکہ، نہاری وغیرہ وغیرہ۔‘‘

وہ شخص کہنے لگا:’’یہ تو سب میں نے کھایا ہوا ہے، تم ایسا کرو مجھے وغیرہ وغیرہ کی ایک پلیٹ لادو۔‘‘

مرسلہ: حافظ عبدالباسط، مینگورہ

☆☆☆

خیمہ

ایک دوست دوسرے کو جگاتے ہوئے’’اٹھو بارش ہورہی ہے!‘‘

دوسرا دوست’’یہ کونسی بڑی بات ہے؟‘‘

پہلا دوست:’’اور ہمارا خیمہ بھی کوئی لے گیا ہے۔‘‘

مرسلہ: عرفان خان، پشاور

خالی ہاتھ

ایک شخص چور کے پیچھے بھاگ رہا تھا، کسی نے آواز دے کر اس سے کہا:’’بھائی! چور کے پیچھے خالی ہاتھ نہیں بھاگا کرتے۔‘‘

وہ آدمی رکا، رک کر دو کلو انگور خریدے اور اس نے پھر بھاگنا شروع کردیا۔‘‘

مرسلہ: حافظ سرور، لنڈی کوتل

☆☆☆

خرگوش

ایک صاحب ہر اتوار اپنے ایک دوست کی دعوت کرتے اور اسے خرگوش کا گوشت کھلاتے، ایک دن تشکر بھرے لہجے میں ان کے دوست نے ان سے سوال کیا’’یار آپ بہت مزیدار گوشت بناتے ہیں، کہاں سے لاتے ہیں اتنا خرگوش؟‘‘

وہ بولے:’’یار میں کہیں سے نہیں لاتا، یہ خود ہی آجاتے ہیں میاؤں میاؤں کرتے۔‘‘

مرسلہ: زینب بخش، چارسدہ

☆☆☆

بے بہا داد

ایک دفتر میں ایک مشاعرے کا انتظام کیا گیا، ایک افسر نے اپنا کلام سنانا شروع کیا’’دو موزے‘‘

ماتحتوں میں واہ وا کی صدا گونجی

’’دو کمبل۔‘‘

ماتحتوں نے پھر داد و تحسین کی صدا بلند کی

’’دو ہی پتلونیں۔۔۔‘‘

پھر واہ واہ کی آوازیں آئیں۔

اچانک وہ افسر چونکتے ہوئے بولا:’’او ہو، یہ تو دھوبی کے حساب کی پرچی ہے۔‘‘

مرسلہ: محمد اویس درانی، شبقدر

☆☆☆

ناک

ایک والد نے اپنے بیٹے سے کہا:’’بیٹا! جو مہمان انکل آرہے ہیں ان کی ناک کے بارے میں کوئی بات نہ کرنا۔‘‘

جب وہ انکل آگئے تو انہیں دیکھ کر بیٹا بولا:’’ابا! آپ نے تو مجھے منع کیا تھا ان کی ناک کے بارے میں بات کرنے سے لیکن ان انکل کی تو ناک ہی نہیں ہے؟‘‘

مرسلہ: خرم قریشی، پشاور

☆☆☆

فرق

والد:’’بتاؤ مکھی اور مچھر میں کیا فرق ہے؟‘‘

بیٹا:’’دونوں ڈاکٹر ہیں۔‘‘

والد:’’وہ کیسے؟

بیٹا:’’مکھی معائنہ کرتی ہے اور مچھر ٹیکہ لگاتا ہے۔‘‘

مرسلہ: محسن زیب، اسلام آباد

☆☆☆

ضرورت نہیں

نوکر:’’جناب باہر ایک سامان بیچنے والا کھڑا ہے، آپ سے ملنا چاہ رہا ہے۔‘‘

مالک:’’کون ہے؟‘‘

نوکر:’’مونچھوں والا۔‘‘

مالک:’’اس سے کہو ہمیں مونچھوں کی ضرورت نہیں!‘‘

مرسلہ: ثناء اللہ، درہ آدم خیل

عہد کیا ہوا سوال

تہنیت افتخار

گھڑی کی سوئیاں دو پر بھی رکتی ہیں، دس پر بھی رکتی ہیں ۔گھڑی کی ٹک ٹک دو بھی بجاتی ہے اور دس بھی بجاتی ہے۔ ہاں وہ دو بج کر دس منٹ پر بھی آتی ہے اور گھڑی کی سوئیاں دو منٹ دس سیکنڈ پر بھی خود کو لاتی ہے پھر دو منٹ کے دسویں حصہ پر بھی آتی ہے مگر کیا گھڑی دوسرے حصہ کی دسویں لمحہ پر آتی ہے؟ ہاں آتی ہے اور یہی وہ لمحہ ہے میری زندگی کا جب ہر چیز رکتی محسوس ہوتی ہے ۔۔۔۔پلٹ جانا لوگوں کا اچانک سے ، اس بات کا تو یقین تھا، دھچکا زیادہ تر اپنوں نے پڑتا ہے اس بات کا بھی گمان تھا، حقیقت میں کچھ چیزیں ناممکن بھی ہوتی اس بات پر بھی اعتبار تھا، مگر پلٹا نصیب کا بھی پڑتا ہے یہ تخیل میں نہ آیا تھا۔۔۔۔۔میں یونہی چلنے لگا سارے رستے سیگریٹ کے کش لگاتے گزار دیے۔

وہ شدید گرمیوں کے دن تھے میں مال روڈ پر تھا میرے چہرے پر نظر آنے والی بظاہر خوشگواری سے اکثر لوگ۔مجھ پر تتلیوں کی طرح منڈلا رہے تھے۔زندگی میں سب سے دشوار چیز خود کو بھلانا ہے مگر کہانا نصیب کا پلٹا تخیل میں نہ تھا میں نے گھڑی کے دوسرے حصے کی دسویں پر خود کو بھلا دیا ۔میرے اردگرد وہ جگہ ہے۔

جہاں میری ذا ہے اور میری ذات کو چاہنے والے ہیں اور سب سے پسندیدہ سیگریٹ جس کے کش لگاتے وقت ہر کوئی اس کے دھواں کو اڑتا دیکھ رہا ہے۔میں ایک باغ کے بینچ پر بیٹھا ہوں مجھے احساس ہوا میں مسکرا رہا ہوں اور میں نے بہت سے لوگوں سے ہاتھ بھی ملایا ہے۔

جیسے ہی میں نے ڈبی سے آخری سیگریٹ منہ میں رکھا بہت سے ہاتھ میری طرف آٹوگراف کے لیے بڑھ رہے تھے ۔آج میرے پاس پین نہ تھا نہ ہی میں نے کسی سے لینا پسند کیا۔مجھے یونہی شرارت سوجھی میں نے جلا ہوا ایک سیگریٹ زمین سے اٹھایا اور اس سے تین چار لکیریں اپنی طرف بڑھے کاغذات پر پھیرتا گیا۔شائد میری شناخت سے کوئی خاص حصہ انھیں مل رہا تھا تبھی تو وہ سب مسکرا رہے تھے۔۔کسی نے بھی مجھے ٹوکا نہیں، ہر طرف مسکراہٹ تھی۔ انھیں ان کی مراد مل گئی اور مجھے میری ۔۔۔۔۔میں نے دیکھا جب جب میں نے دھواں اپنے منہ سے چھوڑا اسی دوسرے حصہ کی دسویں لمحہ میں ہوا نے اسے اپنے اندر چھپا لیا اور لے اڑا۔میں نے ایک خوشگوار مسکراہٹ سے ہوا کا شکریہ ادا کیا اور عہد کیا کہ وہ میرے اندر کی خامیوں کو پوشیدہ ہی رکھے۔ہوا نے مجھے دلاسے کی تھپکی دی اور میں اپنے غم کو مات دے کر ایک نئی خوشی کے ساتھ گھر کی طرف رواں ہو گیا، اس عزم کے ساتھ کہ کیا واقع میں خوش ہوں یہ سوال میں نے دھرانا بھی ہے۔

کوپن برائے بھائی جان

نام ________________ کلاس ____________

پتہ ________________________________

رابطہ نمبر ____________________________

سوال ________________________________

____

کوپن برائے گلدستہ

نام ________________ کلاس ____________

پتہ ________________________________

رابطہ نمبر ____________________________

اچھی بات ____________________________

____

خلائی دوست

محمد احمد رضا انصاری

معاذ اور ابان اپنے چھوٹے سے خلائی جہاز میں بیٹھے اس وقت سپیس (خلا) کی سیر کر رہے تھے۔۔۔آج اتوار تھا۔۔چھٹی کے دن معاذ نے خلا کی سیر کا پروگرام بنایا۔۔اس نے اپنے دوست اور ہمسائے ابان کو بھی اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی تھی جسے ابان نے بخوشی قبول کر لیا۔۔۔دونوں بچوں نے اپنے گھر والوں سے سپیس میں جانے کی اجازت طلب کی۔۔۔ابان کے والدین نے بڑی خوشی سے اجازت دے دی تھی۔۔۔۔معاذ گھر آیا اور اس نے مما کو سیر پر جانے کا بتایا۔۔مما کچھ پریشان سی ہوئیں۔۔۔انہیں سوچ میں ڈوبے دیکھ کر معاذ فکرمندی سے بولا۔۔۔

مما کیا بات ہے۔۔آپ نے پہلے کبھی اجازت دیتے ہوئے ہچکچاہٹ نہیں کی۔۔۔۔"؟

3019 کا سال تھا۔اس دور میں بچوں کا سپیس میں جانا ایسا ہی تھا جیسے ایک شہر سے دوسرے شہر جانا۔۔۔جدید اور انتہائی تیز رفتار سپیس شپس میں گھنٹوں کا فاصلہ محض چند منٹوں میں طے ہو جاتا تھا۔۔۔۔تقریبا ہر گھر میں ایک چھوٹا خلائی جہاز لازمی موجود تھا۔۔۔۔لوگ روز اپنے کام کاج اور دیگر معاملات نمٹانے دوسرے سیاروں پر جاتے تھے۔۔۔۔"اچھا۔۔۔چلے جاو لیکن سپیس میں زیادہ دور نا جانا۔۔۔میں نے ابھی ایک نیوز دیکھی کہ کسی خلائی مخلوق کا جہاز زمین کی طرف بڑھ رہا ہے۔۔۔۔۔۔مجھے تم دونوں کی فکر رہے گی۔۔جلدی لوٹ آنا" بالآخر سوچ بچار کے بعد مما نے انہیں اجازت دے دی۔۔خلائی مخلوق کا سن کر دونوں بچے چونک اٹھے۔۔۔۔

مما وہ کوئی انسان ہی ہوگا۔۔۔۔ہمارے اس نظام شمسی کے کسی بھی سیارے پر کوئی دوسری مخلوق نہیں۔۔۔۔تین سو سال سے ہمارے سائنس دان ان سیاروں پر کسی زندہ مخلوق کا کوئی سراغ نا لگا پائے آپ ٹینس نا ہوں پلیز۔۔۔۔معاذ نے مسکراتے ہوئے کہا۔۔۔

مما کو الوداعی کلمات کہہ کر وہ اپنے گیراج میں آئے اور وہاں کھڑی سرخ سپیس شپ میں بیٹھ کر خلا میں آ گئے۔۔

"تم کیا کہتے ہو ابان۔۔۔کیا واقعی اس خلائی جہاز میں کوئی دوسری مخلوق ہوگی؟ معاذ اپنے جہاز کو مستعدی سے کنٹرول میں رکھتے ہوئے ابان کی طرف نظریں گھما کر بولا۔۔۔

سچ کہوں تو مجھے یہی لگتا ہے۔۔۔سوچو پچھلے تین ماہ سے مسلسل اسی قسم کی افواہیں زمین پر چکرا رہی ہیں۔۔۔مجھے بھی اب ان پر کچھ کچھ یقین سا ہونے لگا ہے۔۔۔ابان نے دور سرخ سیارے (مریخ) کی سمت دیکھتے ہوئے ہولے سے جواب دیا۔

خلائی مخلوق بھلا کیسی شکل وصورت کی ہوگی۔۔؟ یہ سوال ابان نے اٹھایا۔

شاید ویسی جیسی ہم سائنس فکشن موویز میں دیکھتے ہیں۔بہت بڑے سر، تکونے منہ اور چھوٹے جسم والی۔۔یا پھر بلبلے نما تین آنکھوں والی نیلی مخلوق۔۔۔۔"۔معاذ نے اندازہ لگایا۔۔۔۔

کاش کوئی خلائی مخلوق ہم رئیل میں بھی دیکھ سکیں۔۔۔سچ میں آنکھیں ترس گئی ہیں ہماری۔ابان نے شرارت سے ٹھنڈی سانس بھری۔۔۔اس کی حرکت پر معاذ نے مصنوعی غصے اور تیکھی نظروں سے اسے گھورا۔۔۔۔پھر دونوں کے بلند بانگ قہقہوں سے سپیس شپ کی فضا گونج اٹھی۔

کچھ دیر خلا میں گھوم کر معاذ نے ابان سے پوچھا۔۔۔

اب کہاں چلنا ہے۔۔؟

مجھے اپنے ہوم ورک کے لیے چاند کے پچھلے حصے کی چند تصاویر چاہئیں۔۔۔۔چاند کے قریب لے چلو شپ۔۔۔ابان نے کہا

معاذ نے اثبات میں سر ہلایا اور سپیس شپ کا رخ تبدیل کر دیا۔۔۔۔وہ بہت تیزی سے چاند کی طرف بڑھ رہے تھے۔۔آج راستوں میں پبلک ٹریفک نا ہونے کے برابر تھا۔۔۔صرف چند ہزار ہی سپیس شپ ہی انہیں نظر آئے تھے۔۔شاید لوگ خلائی مخلوق کے جہاز کا سن کر خلا میں آنے کی ہمت نہیں کر پا رہے تھے۔۔۔معاذ نے جہاز کو آٹو پائلٹ پہ کر دیا، اب اسے پائلٹ کرنے کی ضرورت نہ تھی۔۔وہ خود بخود چل رہا تھا۔۔۔۔معاذ نے اپنے پینل پر پھیلے بیشمار بٹنوں میں سے چند کو پریس کیا۔۔۔معاذ اور ابان کے درمیان ایک ٹرے نکل آئی جس میں کھانا رکھا ہوا تھا۔۔۔۔دونوں دوست باتیں کرنے کے ساتھ ساتھ کھانے سے بھی لطف اندوز ہونے لگے۔۔۔کھانا کھا کر معاذ اپنی نشست پر قیلولہ کرنے لیٹ گیا۔۔جبکہ ابان جہاز کی کھڑکی سے باہر کا نظارہ کرنے لگا۔۔۔کہکشاں میں ستارے اور سیارے ہیروں کی مانند چمک رہے تھے۔۔اسے یہ منظر بہت اچھا لگتا تھا۔۔۔۔اچانک ابان کی نظر سامنے کچھ دور ایک چیز پر گئی۔۔۔۔وہ دور ایک دھبے کی طرح نظر آ رہی تھی۔۔۔۔حرکت کرتا وہ دھبا بالکل ان کے سامنے تھا اور اسی سمت تیز رفتاری سے آ رہا تھا۔۔۔دور ہونے کی وجہ سے ابان صحیح سے اس چیز کا اندازہ نا لگا سکا کہ وہ کیا شے ہے۔۔؟

اس نے پینل پر چند بٹن دبائے اور ایک لیور کو اوپر کی طرف کیا۔۔۔ایک سکرین روشن ہوئی اور اس پر وہ شے واضح طور پر نظر آنے لگی۔۔۔اسے دیکھتے ہی ابان خوف سے اچھل پڑا۔۔۔وہ بلبلہ نما ایک خلائی جہاز تھا۔۔۔ایسی ساخت کے جہاز زمین پر کہیں نہیں تھے۔۔۔

کیا یہ اسی خلائی مخلوق کا سپیس شپ ہے۔۔؟ وہ منہ ہی منہ میں بدبدایا تھا۔۔۔

ابان نے فوراً معاذ کو جھنجوڑ کر اٹھایا۔۔۔

معاذ۔۔معاذ۔۔جلدی اٹھو۔۔۔

معاذ آنکھیں ملتا اٹھ بیٹھا۔۔اس کی آنکھوں میں حیرت ہلکورے لے رہی تھی۔۔

کیا۔۔ہوا اتنے بوکھلائے ہوئے کیوں ہو۔۔۔؟

یہ دیکھو"ابان نے روشن سکرین پر نظر آتے خلائی جہاز کی طرف اشارہ کیا۔۔۔

بلبلہ نما جہاز دیکھ کر معاذ بھی چونک گیا۔۔۔

خلائی مخلوق۔۔"اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔۔۔

کیا واقعی یہ خلائی مخلوق کا جہاز ہے۔۔۔؟

ہاں۔۔۔میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں۔یہ وہی ہے جس کا ارتھ پر کئی دنوں سے چرچا ہو رہا ہے۔۔۔معاذ نے جواب دیا اور اس نے اپنے سپیس شپ کو آٹو پائلٹ سے ہٹا کر اپنے کنٹرول میں لے لیا۔۔۔

محض چند منٹوں بعد وہ اس جہاز کے قریب پہنچ چکے تھے۔۔۔اچانک سپیس شپ میں لگے کمپیوٹر پر ایک پیغام موصول ہوا۔۔۔وہ میسج بلبلہ نما سپیس شپ سے بھیجا گیا تھا۔۔۔معاذ کے جدید اور فاسٹ کمپیوٹر نے لمحوں میں اس میسج کو ان کی زبان میں ڈی کوڈ کر دیا۔۔میسج کے ساتھ ایک تصویر بھی آئی تھی۔

ابان اور معاذ اس میسج کو پڑھنے لگے۔۔۔۔۔میسج بہت مختصر سا تھا۔۔لکھا تھا ہیلپ می۔۔۔تصویر ایک بچے کی تھی جو انسانوں سے ملتا جلتا تھا۔۔۔اس کا رنگ سبز اور قد عام بچوں سے کچھ کم تھا۔۔۔بڑی بڑی آنکھیں جو گہرے سبز رنگ ہی کی تھی۔۔۔کیا اسے مدد کی ضرورت ہے۔۔۔؟

ابان ڈرے ڈرے لہجے میں بولا۔۔یوں اجنبی مخلوق کے اتنے قریب آ کر ان کا ڈرنا فطری عمل تھا۔۔۔

بلبلہ نما جہاز رک چکا تھا۔۔۔معاذ اپنا سپیس شپ اس کے قریب لے آیا۔۔۔

جہاز کے شفاف شیشوں سے اندر کنٹرول روم میں وہی بچہ بیٹھا خوف بھری نظروں سے ان کے سپیس شپ کو دیکھ رہا تھا

معاذ نے اسے جوابی پیغام بھیجا"

تم کون ہو اور کس سیارے سے آئے ہو۔۔۔ہم تمہاری کیا مدد کر سکتے ہیں۔۔۔؟

خلائی بچہ اپنے پینل پر بٹن پریس کرنے لگا۔۔۔کچھ لمحے بعد اس کا میسج معاذ کے سامنے سکرین پر موجود تھا۔۔

میرا نام زینگ ہے۔میں ماریش نامی سیارہ کا باشندہ ہوں۔۔۔کچھ ہفتوں پہلے ایک بہت بڑا شہاب ثاقب ہمارے سیارے سے ٹکرا گیا تھا۔۔میں اس دن بیج اکٹھے کرنے قریبی سیارے پر گیا ہوا تھا۔۔۔اس ہولناک سانحے میں سب لوگ مارے گئے صرف میں ہی بچ پایا۔۔۔پلیز میری مدد کرو۔میں پچھلے تین ہفتوں سے خلا میں بھٹک رہا ہوں۔۔۔میرے جہاز میں خوراک کا ذخیرہ بھی ختم ہو گیا ہے۔۔۔مجھے اپنے سیارے پر لے چلو۔۔"

معاذ نے زینگ کو تسلی دی اور کہا میرے جہاز کے پیچھے پیچھے آؤ۔۔۔یہ کہہ کر اس نے سپیس شپ کا رخ دوبارہ زمین کی طرف موڑ دیا۔۔۔دونوں جہاز آگے پیچھے زمین کے قریب ہوتے جا رہے تھے۔۔۔

معاذ نے زمین پر خلائی بچے کے بارے میں پیغام بھیج دیا تھا۔۔خلائی مخلوق کا سن کر زمین پر تھرتھری سی مچ گئی تھی۔۔۔۔سب لوگ اپنے اپنے ٹی وی، کمپیوٹر، ٹیبز اور موبائل کھول کر خلائی مخلوق کو دیکھنے کے لیے تیار بیٹھے تھے۔۔۔

سائنسدانوں اور میڈیا والوں کی ایک کثیر تعداد معاذ کے گھر کے سامنے پہنچ گئی تھی۔۔۔کیمرا مین اپنے اپنے کیمرے سیٹ کرنے میں مصروف ہو گئے۔۔

جیسے ہی دونوں جہاز ان کے ملک کی فضا میں داخل ہوئے آرمی والے سپیس شپس نے انہیں اپنے حفاظتی حصار میں لے لیا۔۔۔زمین پر لینڈنگ کر کے وہ تینوں اپنے اپنے سپیس شپ سے باہر نکلے تو کیمروں کے فلیش چمکنا شروع ہو گئے۔۔لوگوں کے شور سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔۔۔پولیس والوں نے انہیں اپنے گھیرے میں لیا اور زینگ کو ایک وین میں پہنچا دیا۔۔۔وین ایک کثیر المنزلہ بلڈنگ میں جا رکی۔۔۔ملک کے مشہور سائنسدان اسے سرکاری تجربہ گاہ لے آئے تھے۔۔۔ایک ہفتے تک وہ اس کا معائنہ کرتے رہے کہ وہ زمینی ماحول میں رہ سکتا ہے یا اس کی وجہ سے ارتھ کو کوئی نقصان ہونے کا خدشہ تو نہیں۔۔سب ٹیسٹ میں وہ کلیئر نکلا۔۔۔اس دوران ابان اور معاذ روز اسے ملنے آتے رہے۔۔ایک ہفتے میں ہی تینوں بچے ایک دوسرے کی زبان کچھ کچھ بولنے اور سمجھنے لگ گئے تھے۔

آخر ایک ہفتے کی تحقیق کے بعد زینگ کو زمین پر رہنے کی اجازت مل گئی۔۔۔وہ آزادانہ طور پر زمین پر رہ سکتا تھا۔۔

معاذ نے زینگ کو اپنے گھر رہنے کو کہا۔۔۔۔زینگ اس کی دعوت رد نہ کر سکا۔۔۔وہ بڑی خوشی سے مان گیا۔۔۔معاذ ایک الجھن کا شکار تھا کہ زینگ انسانوں سے اتنا ملتا جلتا کیوں ہے۔۔ایک رات زینگ نے اسے اپنی کہانی سنائی کہ اس کے آباؤ اجداد زمین کے رہنے والے ہی تھے۔۔۔۔یہ ہزاروں سال پہلے کا ذکر ہے۔۔اس وقت ان لوگوں نے اتنی ترقی کی کہ اس دور میں انہوں نے ایٹم بم بنا لیا تھا۔۔۔۔میرے خاندان کے ایک بزرگ ایٹم بم کے خلاف تھے۔۔۔انہوں نے اپنی سی کوشش کہ دوسرے لوگوں کو اس سے باز رکھنے کی لیکن وہ کامیاب نا ہوئے۔۔۔۔ایک دن وہ اپنے خاندان کے ساتھ ماریش پر ہجرت کر گئے جس کا ماحول زمین جیسا ہی تھا۔۔۔

اور کچھ سال بعد زمین پر ہولناک دھماکہ ہوا۔۔۔ایٹم بم بلاسٹ ہو گیا تھا۔۔۔زمین پر موجود انسان لمحوں میں پانی بن گئے تھے۔۔۔"

معاذ کے لیے یہ کہانی نہایت حیرت انگیز تھی۔۔۔۔اس نے شکر کا کلمہ پڑھا کہ اس دور کے انسانوں نے وقت پر عقل مندی دکھائی اور سب ایٹم بمز ناکارہ کر دیے۔۔۔
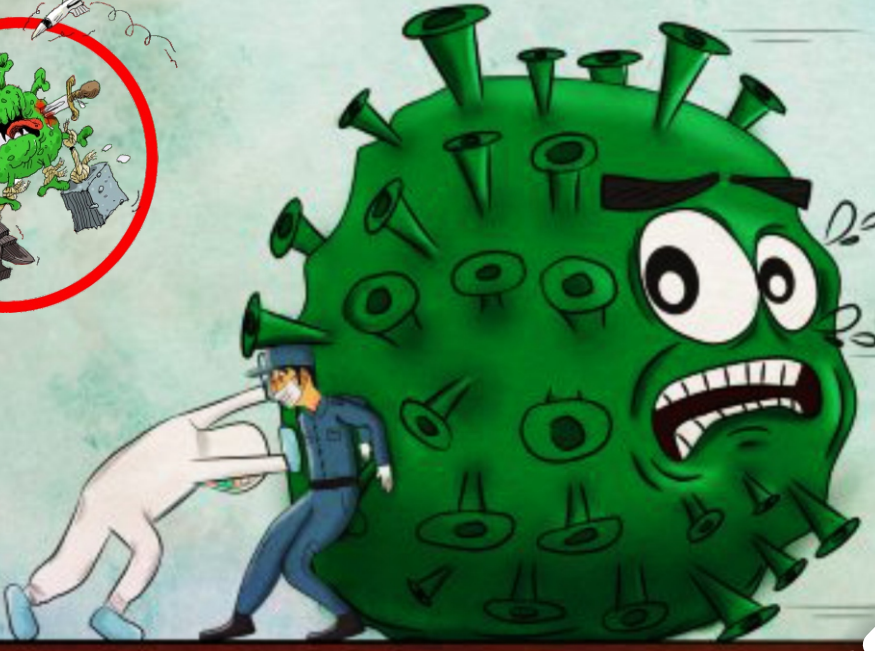
کورونا کو شکست

علی عمران ممتاز

اس نے جیسے ہی سر اٹھایا شیطان نے خوب قہقہہ لگایا اور بلند آواز میں بولا "اب دنیا کی تباہی ہوگی سڑکیں ویران ہوں گی لوگ عبادت کے لیے مساجد کا رخ نہیں کریں گے، اللہ کا نام لیوا کوئی نہ ہوگا۔ اب کی بار اس دنیا پر میں نے خوف کی ایسی دہشت پھیلانی ہے کہ لوگ ایک دوسرے سے ملنے کو کترائیں گے"

اس کی پیدائش پر شیطان خوشی منا رہا تھا اور اسے حکم دیا کہ وہ پوری دنیا میں پھیل جائے اور اپنی دہشت سے ہر فرد کو خوف زدہ کردے۔ اس نے شیطان کے حکم کی تعمیل کرنے کا عہد کیا اور شیطان سے اجازت لے کر اچھلتے کودتے دنیا کا رخ کیا۔ شیطان نے اسے بنا تو لیا مگر اس کا نام یہ سوچ کر نہ رکھا کہ اہل دنیا خود ہی اس کا نام رکھ دے گی۔

وہ وائرس اچھلتا کودتا ایک ایسے ملک پہنچا جہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حرام کردہ چیزوں کو بہت شوق سے کھایا جاتا تھا۔ وہ ایسے لوگ تھے جو حرام جانور بہت مزے سے کھاتے تھے۔ وائرس اس ملک کی ایک بستی میں گیا جہاں ایک بہت ہی خوبصورت ہوٹل تھا اور ایک میز پر ایک آدمی بھنے ہوئے حرام جانور کا گوشت بہت ہی مزے سے کھا رہا تھا۔ وائرس نے اس ہوٹل کا اچھی طرح جائزہ لیا اور تہیہ کیا کہ وہ اس آدمی کی پسندیدہ ڈش میں گھس جائے گا اور اس ڈش کے ذریعے اس آدمی کے پیٹ میں اپنا بسیرا کرے گا اور اپنی نسل کی افزائش بھی یہیں سے شروع کرے گا۔

وہ آدمی کھانا کھا کر بل ادا کر کے اپنے گھر روانہ ہوا۔ وائرس موقع دیکھ کر اس کے کھانے کے ذریعے اس کے پیٹ میں گھس چکا تھا اور وہاں اپنی نسل کی افزائش شروع کردی۔

وہ آدمی گھر میں بیٹھا ایک کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا کہ اچانک اسے کھانسی شروع ہوگئی اس کے ساتھ ہی اسے نزلہ اور سر درد شروع ہوگیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کی طبیعت خراب ہوگئی۔ اس آدمی کے بیوی بچے پریشان ہوگئے۔ اس آدمی کو فوراً ہسپتال داخل کروایا گیا۔ مختلف ٹیسٹ ہوئے مگر بیماری کا پتہ نہ چل سکا۔ چند ہی گھنٹوں میں اس آدمی کا انتقال ہوگیا۔ اسی ہسپتال میں اس آدمی کے بچوں کو بھی یہ ہی بیماری اچانک لاحق ہوگئی۔

دیکھتے ہی دیکھتے اس بیماری نے اہل محلّہ کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ سب ہی لوگ پریشان تھے مسلسل اموات ہو رہی تھیں۔ اس ملک کی حکومت نے ماہرین صحت کو اس بیماری کا کھوج لگانے کا حکم دیا۔ انتھک کوششوں کے بعد ماہرین نے اس بیماری کا پتہ لگا لیا۔ انہوں نے اپنی رپورٹ دی کہ یہ ایک وائرس ہے جو ایک آدمی سے ہاتھ ملانے یا گلے ملنے کے دوران دوسرے میں منتقل ہوجاتا ہے، اس وائرس کا نام کرونا رکھ دیا گیا اور لوگوں کو احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کا کہا گیا۔

کرونا وائرس اپنے اس نام سے خوشی سے پھولے نہیں سما رہا تھا اور خوب ناچ رہا تھا۔ شیطان کا یہ وار

بہت سخت تھا۔کرونا وائرس کی نسل بڑھتی چلی گئی اور کچھ ہی دنوں میں پوری دنیا میں اس کی نسل پھیل چکی تھی۔ دنیا خوفزدہ ہوگئی ایئر پورٹ ویران،ہوٹل ویران شادی ہال ویران،سینما گھر ویران،بازار ویران،دوکانیں ویران،گہما گہمیاں ختم گئیں،رونقیں برباد ہوگئیں،تعلیمی ادارے دنیا بھر میں بند،محفلیں ختم،لوگ نوٹوں سے بھی ڈرنے لگے،پوری دنیا نے منہ چھپا لیئے،کھانسنے والا خودکش لگنے لگا ہر بندہ دوسرے سے دور بھاگنے لگا،میڈیکل سائنس زمین بوس ہوگئی،دوائیاں راکھ بن گئیں۔

انجکشن بے اثر ہوگئے،موت کے سائے منڈلانے لگے، چند دنوں میں خوف نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ہرطرف کرونا کا خوف چھا گیا۔

ابھی کل اموات صرف5000 ہیں اگر دس ہزار سے بڑھ گئیں تو پتہ نہیں کیا ہوگا۔۔۔؟ایک انجانا سا خوف چھا گیا ترقی یافتہ ملک نے کہا ہمارے سائنس دان ایک دن میں ویکسین نکال لیں گے مگر ناکام ہوگئے۔

قاسم اپنے اماں ابا کے ساتھ گاؤں سے شہر میں رہائش پذیر ہوگیا تھا اگر چندو چند اس کی مدد نہ کرتے تو کبھی بھی ان کے حالات ٹھیک نہ ہوتے۔کورونا وائرس کے حملے کی خبر اسے بھی مل چکی تھی،ملک بھر میں اس کی دہشت تھی،لوگ گھروں میں دبک چکے تھے۔

قاسم کے ایک دوست کو کرونا نے اپنے شکنجے میں لے لیا تھا،اس کا دوست کرونا کی وجہ سے تکلیف کا شکار تھا اسے فوراً ہسپتال میں داخل کروا دیا گیا،قاسم کے دوست کو کوئی بھی نہیں مل سکتا تھا جب تک وہ صحت یاب نہ ہوجاتا اور کرونا اس کی جان نہ چھوڑ دیتا۔

قاسم کرونا کے اس حملے سے بہت پریشان تھا کیونکہ کرونا کے چیلوں کے حملے دن بدن بڑھتے جارہے تھے کرونا جسے قابو کرتا اسی کے ذریعے اپنے چیلے دوسرے ملنے والوں کو ٹرانسفر کردیتا۔

رات کے پچھلے پہر قاسم کرونا کے خاتمے کا پلان بنا رہا تھا اس کی سمجھ میں۔کچھ نہیں آرہا تھا کہ وہ ایسا کیا کرے کہ سب ٹھیک ہوجائے۔کرونا کو شکست ہوجائے۔

وہ سوچوں میں گم تھا کہ بجلی بھی چلی گئی اس کے اماں ابا اپنے کمرے میں سورہے تھے وہ ہی اکیلا جاگ رہا تھا۔حکومت وقت نے ملک بھر کو لاک ڈاؤن کردیا تھا۔لوگ گھروں میں قید ہوکر رہ گئے تھے۔

وہ چندو چند کو یاد کرنے لگا وہ جانتا تھا کہ چندو چند ہی ان کی مدد کرپائے گا اس کے پاس جادوئی طاقتیں ہیں۔قاسم ابھی چندو چند کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ اس کے کمرے میں اچانک زمین سے روشنی نکلی اور دیکھتے ہی دیکھتے کمرہ روشن ہوگیا اور جس جگہ روشنی نمودار ہوئی وہاں اب چندو چند کھڑا تھا وہی لباس زیب تن کیا ہوا تھا جو کہ ہمیشہ اس کے تن پر رہتا تھا۔اس نے اپنی مونچھوں کو تاؤ دیا اور مختلف انداز سے چلتے ہوئے قاسم کے قریب آیا اور اس کے اداس ہونے کی وجہ پوچھی۔قاسم نے چندو چند کو مسٹر کرونا کی ساری کہانی سنائی اور ساتھ ہی بتایا کہ کس طرح کرونا نے دنیا بھر کا جینا حرام کر رکھا ہے۔

چندو چند قاسم سے کہنے لگا

’’میں پتہ لگاتا ہوں کہ کرونا کی موت کیسے ممکن ہے؟‘‘

چندو چند نے اپنی جیب سے مخصوص قسم کا موبائل نکالا اور اس کے بٹنوں کی مدد سے ایک سوال لکھا جو کہ موبائل کی سکرین پر یوں لکھا گیا۔

’’کرونا کون ہے کس نے بھیجا ہے اور اس کا خاتمہ کیسے ممکن ہے۔۔۔؟‘‘

سوال مکمل ہوتے ہی غائب ہوگیا کچھ لمحے ہی گزرے تھے کہ موبائل پر ایک تحریر نمودار ہوئی۔

’’کرونا کو شیطان نے بنایا ہے دنیا میں تباہی پھیلانے کے لیے اور اس کا خاتمہ صرف احتیاط سے ممکن ہے،اس کے ساتھ مخصوص صابن سے روزانہ ہاتھ منہ دھوئے جائیں تو کرونا کسی بھی شخص کے پاس نہیں پھٹکے گا بلکہ کرونا تڑپ تڑپ کر مرجائے گا‘‘

یہ تحریر پڑھتے ہی چندو چند کے لبوں پر مسکراہٹ اچھل گئی۔انہوں نے اگلا سوال موبائل پر لکھا کہ یہ صابن کیسے ملے گا۔۔۔؟ موبائل سکرین پر لکھا آیا

’’براعظم انٹارکٹکا میں ایک شہر اسپیکو ہے وہاں ایک بوڑھی عورت کے پاس اس نایاب صابن کا نسخہ ہے،وہ اس سے لے کر صابن تیار کیا جائے اور دنیا بھر میں اس صابن کو عوام تک پہنچایا جائے،یاد رکھنا اسپیکو میں چھ ماہ دن ہوتا ہے چھ ماہ رات ہوتی ہے وہاں کل صبح سے رات شروع ہوجائے گی۔رات سے پہلے پہلے اس بوڑھی عورت کو اگر مل لیا تو ٹھیک ورنہ رات ہوتے ہی وہ عورت چھ ماہ تک کسی کو نظر نہیں آئے گی‘‘

چندو چند نے تحریر پڑھی اور اسی وقت قاسم سے اجازت لے کر اسپیکو جانے کے لیے دل ہی دل میں کچھ پڑھا اور چند لمحوں میں ہی چندو چند غائب ہوگیا۔

قاسم نے چندو چند کے جاتے ہی جائے نماز بچھائی اور چاچا کے کامیاب لوٹنے کی دعا مانگنے لگا۔

وہ برف کا گھر تھا جو دھوپ لگنے کے باوجود بھی پانی بن کر بہہ نہ سکا۔وہ گھر جس جگہ تھا وہیں ساتھ ہی ایک صاف شفاف پانی کا دریا بہتا تھا۔اس گھر کی مالکن ایک بوڑھی عورت تھی جو کہ ہر وقت اللہ کی عبادت میں مشغول رہتی تھی۔برف کے گھر کے ساتھ ہی ایک بہت بڑا دریا تھا جس کا پانی شدید سردی کی وجہ سے بہت ٹھنڈا تھا۔

برف کے گھر کے باہر ہی زمین پر دائرہ بنا روشنی اس دائرے میں پھیلی اور چندو چند اس

روشنی میں نمودار ہوا۔ چندو چند نے اس علاقے کا چاروں اطراف سے مشاہدہ کیا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ وہ صحیح جگہ پہنچ چکا ہے کیونکہ اس نے اپنے سامنے برف کا گھر دیکھ لیا تھا اور اس کے اندر ایک بوڑھی عورت کو سجدے میں دیکھا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ عورت ابھی عبادت میں مصروف ہے اس لیے اس نے اس علاقے کا تسلی سے جائزہ لیا اور اپنے سیدھے بازو کی کلائی پر لگی گھڑی پر وقت دیکھا۔ اس وقت دوپہر کے دو بج رہے تھے۔

شام ہوتے ہی سورج نے چھ ماہ کے لیے غروب ہوجانا تھا اور چندو چند کو مغرب سے پہلے ہی یہاں سے نکلنا تھا۔ جب چندو چند اپنے ملک میں تھا وہاں اس وقت رات تھی۔ یہاں دوپہر کا وقت تھا اور ان کی گھڑی بھی یہاں کے وقت کے مطابق ہی وقت بتا رہی تھی۔

بوڑھی عورت نے سلام پھیرا تو اسے برف کے گھر کے باہر ایک عجیب لباس والا شخص نظر آیا۔ چندو چند بھی اسے سلام پھیرتے ہوئے دیکھ چکا تھے۔ برف کے گھر کے باہر سے ہی آواز لگائی۔

''اماں جی کیا میں اندر آسکتا ہوں۔۔۔؟''

''بوڑھی عورت نے اثبات میں سر ہلا کر اسے اندر آنے کی دعوت دی۔ چندو چند اندر گیا اور اس بوڑھی عورت کو سلام ودعا کے بعد اپنی آمد کی وجہ بتائی۔

بوڑھی عورت نے اسے بتایا کہ میں تمہاری مدد کرسکتی ہوں اس کے لیے تمہیں ایک کام کرنا ہوگا۔

''کیسا کام۔۔۔؟'' چندو چند نے پوچھا۔

''اس ٹھنڈے پانی کے دریا کے اندر ایک صندوق ہے جو میرا ہے اسے کسی نے اس دریا میں پھینک دیا تھا میں تو اسے نکال نہیں سکتی تم نکال لو، شام 5 بجے کے بعد اس دریا کا پانی شدید سردی کی وجہ سے برف بن جائے گا پھر چھ ماہ بعد ہی سورج طلوع ہونے کے بعد پانی میں بدلے گا'' بوڑھی عورت نے بتایا۔

چندو چند نے ارادہ کرلیا کہ وہ اس دریا میں کودے گا اور اس صندوق کو نکالے گا۔ پانی شدید ٹھنڈا تھا۔

انسانیت کی بقاء کے لیے چندو چند نے اس دریا میں چھلانگ لگادی۔ دریا کا پانی بہت ہی ٹھنڈا تھا اور چندو چند پانی میں جاتے ہی تھر تھر کانپنے لگا۔ ایک لمحے کو اس نے سوچا کہ وہ واپس باہر نکل جائے یہ ٹھنڈا پانی اس کی جان لے جائے گا کیونکہ ٹھنڈے پانی میں چندو چند کی طاقتیں جواب دے جاتی تھیں۔ اگلے ہی لمحے اس نے انسانیت کی موت اور تباہی کا سوچا جس سے اس نے انسانوں کو بچانا تھا۔ چندو چند ہمت کی اور دریا میں صندوق تلاش کرنے لگا۔ دو گھنٹے بعد بالآخر اسے صندوق مل گیا۔ صندوق اٹھا کر وہ جلدی جلدی باہر نکلنا چاہتا تھا، پانی آہستہ آہستہ برف بننا شروع ہوگیا تھا پانچ بجنے میں پونا گھنٹا باقی تھا۔ بوڑھی عورت دریا کے باہر چندو چند کی واپسی کی دعا کررہی تھی۔ پانچ بجنے میں دو منٹ باقی تھے کہ چندو چند دریا سے باہر نکل آیا۔ صندوق اس کے ہاتھ میں دیکھ کر بوڑھی عورت کی آنکھیں چمک اٹھیں چہرے پر خوشی کے اثرات نمایاں ہوگئے۔

''یہ لو اپنا صندوق اور مجھے وہ راز دو جس کے ذریعے ہم کرونا کا خاتمہ کرسکیں'' چندو چند صندوق بوڑھی عورت کے سامنے رکھتے ہوئے بولا۔

''بیٹا اس صندوق کے اندر ہی کرونا کی موت کا راز موجود ہے'' بوڑھی عورت نے بتایا۔ چندو چند خوشی سے جھوم اٹھا۔

اس بوڑھی عورت نے اس صندوق کو ایک خاص چابی سے کھولا اور اس میں سے ایک چھوٹا سا صندوق نکالا۔ اس صندوق کو بھی اس نے ایک خاص چابی سے کھولا اب کی بار چھوٹے صندوق سے ایک کاغذ نکلا بوڑھی عورت نے وہ کاغذ چندو چند کو دیا۔ چندو چند نے اس کاغذ پر درج نسخہ غور سے پڑھا اور اس بوڑھی عورت کا شکریہ ادا کیا۔ اس عورت نے چندو چند کو کہا شکریہ کی کوئی بات نہیں تم نے یہ کام انسانیت کی جان بچانے کے لیے کیا ہے تم اپنے مقصد میں

کامیاب ہو جاؤ بلکہ مجھے شکریہ تو تمہارا ادا کرنا چاہیے کہ تم میرا صندوق دریا سے نکال کر لے آئے۔ اگر تم نہ آتے تو شاید مجھے بھی آزادی نہ ملتی۔

''کیسی آزادی۔۔۔۔؟'' چندو چند نے حیرت سے پوچھا۔

میں بوڑھی عورت نہیں ہوں ایک پری ہوں، شیطان کے ایک چیلے نے مجھے یہاں برف کے اس گھر میں قید کر دیا تھا۔ شیطان نے جب کرونا کو بنایا تو اس کی موت کا نسخہ بھی بنالیا تھا جو کہ میرے ہاتھ لگ گیا۔ شیطان کو پتہ چلا تو اس نے اپنے چیلے کے ذریعے مجھے بوڑھی عورت بنا کر یہاں قید کر دیا۔ وہ بوڑھی عورت جواب ایک خوبصورت پری بن چکی تھی بولی۔

''یہ تو اچھا ہوا کہ تم اب آزاد ہو گئی ہو'' چندو چند بولا۔

''ہاں۔۔۔! میں اب آزاد ہوں، مجھے آزادی بھی اس لیے ملی کہ شیطان کے چیلے نے کہا تھا جو نیک دل تمہارے اس صندوق کو دریا کے پانی سے نکال لائے گا تب ہی تم اپنی اصلی حالت میں آؤ گی'' پری نے بتایا۔

چندو چند کو ٹھنڈ لگ رہی تھی اس کی حالت ٹھنڈے پانی کی وجہ سے خراب تھی اور اس کی طاقتیں بھی کم ہو گئیں تھیں۔ وہ پریشان تھا اب واپس کیسے جائے۔ اس نے پری کو اپنی پریشانی بتائی۔ پری نے اپنی جادوئی لاٹھی سے چندو چند پر گرم ہوا چلا دی۔ گرم ہوا سے چندو چند کے جسم سے ٹھنڈ نکل گئی اور اس کی طاقتیں واپس آ گئیں۔

''اب جلد از جلد تم یہاں سے نکلو سورج غروب ہونے میں چند لمحے باقی ہیں اگر تم یہاں سے نہ نکل سکے تو چھ ماہ تک یہیں قید رہو گے'' پری نے اسے خبردار کیا۔

چندو چند متحرک ہو گیا اور اپنے مخصوص انداز میں کھڑا ہوا تو اس کے اردگرد ایک دائرہ بنا اس میں چاندی کی چاندنی جیسی روشنی پھیلی اور چندو چند غائب ہو گیا۔ پری بھی اپنی جادوئی لاٹھی کے ذریعے کوہ کاف روانہ ہو گئی۔ سورج چند ہی سیکنڈ میں غروب ہو گیا اب یہاں صرف اندھیرے کا راج تھا۔

☆☆☆۔۔۔☆☆☆۔۔۔☆☆☆

کرونا پوری دنیا میں موت کا کھیل کھیلنے میں کامیاب ہو رہا تھا۔ لوگ اس کے جراثیم چیلوں کی وجہ سے جلد ہی بیمار ہو رہے تھے اور موت کے منہ میں جا رہے تھے۔ کرونا بہت خوش تھا کہ اس نے لوگوں کے دلوں میں اپنا ڈر بٹھا دیا ہے اور لوگ گھروں سے باہر نکلنے سے ڈرتے ہیں۔ گلی محلوں میں جہاں جہاں ویرانہ تھا کرونا کے ساتھی ہر طرف ہوا میں اڑ رہے تھے۔ ایک دوسرے کے ساتھ اٹھکیلیاں کر رہے تھے۔ اپنی کامیابی کا جشن منا رہے تھے۔

قاسم نے دعا مانگ کر جائے نماز ایک طرف رکھی ہی تھی کہ اس کے کمرے میں چندو چند پہنچ گیا اسے دیکھتے ہی قاسم نے پوچھا بتاؤ کیا خبر لائے ہو۔۔۔؟

چندو چند نے اسے وہ نسخہ دکھایا جس میں۔ ایک خاص صابن بنانے کا طریقہ تھا۔ انہوں نے فوراً ہی اسی کمرے میں صابن بنانے کا فیصلہ کیا۔ چندو چند نے اپنی جادوئی طاقت سے ہر وہ سامان کمرے میں ہی منگوالیا جس کے ذریعے صابن تیار ہونا تھا۔ صابن کی تیاری میں بمشکل تین گھنٹے لگے۔ صابن بنانے سے پہلے شیطانی طاقتوں سے بچنے کے لیے چندو چند نے اس کمرے کے چاروں طرف آیت الکرسی پڑھ کر اس کمرے کو محفوظ کر لیا۔ صابن بنانے کے دوران کرونا کے ساتھی قاسم کے گھر داخل ہو گئے مگر اس کمرے میں آنے کی جیسے ہی کوشش کرتے دور جا گرتے۔ وہ ہر بار کوشش کرتے اور ہر بار ناکام ہو جاتے۔ قاسم سے غلطی یہ ہوئی کہ وہ اپنے اماں ابا کو محفوظ نہ کر سکا۔ کرونا کے ساتھی اس کے اماں ابا کے کمرے میں چلے گئے اور ان سے لپٹ گئے۔ اماں اور ابا دونوں ہی زور زور سے کھانسنے لگے انہیں نزلہ بھی ہو گیا اور چھینکوں پر چھینکے مارنے لگے۔ ان کی حالت ایسی ہو گئی کہ وہ مرنے پر آ گئے۔

قاسم بہت پریشان تھا کہ وہ اپنے اماں ابا کو کیسے بچائے۔ چندو چند نے اسے کمرے سے باہر نہ نکلنے دیا۔ ادھر اس کے اماں ابا موت کے منہ میں جا رہے تھے۔ بالآخر وہ صابن بنانے میں کامیاب ہو ہی گئے۔ چندو چند نے ایک صابن اٹھایا اور آیت الکرسی پڑھتے ہوئے کرونا کے ساتھیوں سے لڑتے ہوئے اماں ابا کے کمرے میں گیا انہیں صابن دیا اور کہا

''ہمت کر کے اس صابن سے فوراً نہا لیں کرونا خود ہی مر جائے گا۔ پہلے ابا اٹھے ہمت کر کے غسل خانے گئے اور اس صابن سے نہا کر واپس آئے اور چند ہی لمحوں میں صحت یاب ہو گئے۔ اماں بھی صابن سے نہا کر آئیں تو فوراً صحت یاب ہو گئیں۔

چندو چند تجربے میں کامیاب ہو گیا اور قاسم کو ہدایات دیں کہ وہ صابن کی ٹکیاں بناتا رہے اور صبح چندو چند اسے دنیا بھر میں تقسیم کر دے گا تاکہ کرونا اپنے ساتھیوں سمیت اپنی موت آپ مر جائے۔

صبح ہوتے ہی چندو چند صابن کی ڈھیروں ٹکیاں اپنی سامنے والی جیب میں ڈال کر نکل پڑا۔ اس کی جیب نہیں عمرو عیار کی زنبیل تھی کہ ڈھیروں صابن کی ٹکیاں اس میں سما گئیں مگر جیب پھر بھی نارمل ہی تھی۔

قاسم گھر صابن کی ٹکیاں بناتا رہا اس کام میں اس نے اپنے مخلص دوست باسط اور عالیہ کو بھی شامل کر لیا تھا۔ ادھر کرونا کے ساتھی انہیں صابن بنانے سے روکنے میں ناکام ہو رہے تھے ادھر چندو چند دنیا

بھر میں صابن کی ٹکیاں تقسیم کرنے میں مصروف تھا اور ساتھ لوگوں کو یہ ہدایات بھی دے رہا تھا کہ ایک دوسرے سے فاصلہ رکھیں، اپنے ہاتھ بیس سیکنڈ تک دھوتے رہیں، بہتر تو یہ ہے کہ پانچ وقت کی نماز ادا کریں وضو کی صورت میں ہاتھ بھی دھل جائیں گے۔ اچھی غذا کھائیں اور اللہ کے کلام کو پڑھتے رہیں تا کہ قوت ایمانی مضبوط رہے۔

چندو چند کے صابن کے استعمال سے کرونا سے متاثرہ لوگ صحت یاب ہونے لگے اور جو لوگ بچے ہوئے تھے انہوں نے بھی صابن کے استعمال سے خود کو کرونا کے وار سے محفوظ کرلیا۔ کرونا کے چیلے تڑپ تڑپ کر مرنے لگے۔

قاسم کے گھر سے باہر کسی کی خوفناک آواز گونجی۔ آواز سن کر قاسم اور اس کے دوست گھر سے باہر نکلے تو سامنے بہت بڑا گول مٹول عجیب وغریب شکل کا بھوت کھڑا تھا۔ قاسم باسط اور عالیہ اسے دیکھ کر گھبرا گئے۔

''تو تم ہو وہ لوگ۔۔۔۔جن کی وجہ سے میری عظیم فوج ہلاک ہوئی'' وہ بھوت چلایا۔

''تم کون ہو۔۔؟'' عالیہ نے گھبرا کر پوچھا۔

''میں۔۔۔ہاہاہا۔۔۔ میں کون ہوں۔ ۔۔۔سب کی زبان پر اب صرف میرا ہی نام ہے اور تم پوچھتی ہو کہ میں کون ہوں؟۔۔۔ہاہاہا'' وہ بھوت زور زور سے ہنسنے لگا اور دوبارہ مخاطب ہوا۔

''میں نوول کرونا وائرس ہوں۔۔۔۔ہاہاہا۔۔ ۔۔ہاہاہا۔۔۔!'' کرونا کے خوفناک قہقہے گونج رہے تھے۔ اس کا نا سن کر اب تو تینوں گھبرا گئے۔ اس سے پہلے کہ کرونا ان پر وار کرتا چندو چند ان کے سامنے آ گیا۔

''بچوں پر حملہ کرنے آئے ہو شرم کرو'' چندو چند پیار سے بولا۔

''سب سے پہلے تمہیں ہلاک کروں گا'' کرونا غصے سے بولا اور اپنے لمبے ہاتھ چندو چند کی طرف بڑھائے۔ چندو چند اپنی جگہ سے غائب ہو کر کرونا کے پیچھے پہنچ گیا اور اس کی بیک پر زور سے اپنی ٹانگ ماری۔ کرونا اچھل کر زمین پر گر گیا۔ قاسم اور اس کے ساتھی گھر میں چلے گئے اور صابن کے لیکوڈ والا ایک بڑا ٹب اٹھا کر گھر سے باہر لائے تا کہ کرونا پر گرا سکیں۔

چندو چند اور کرونا میں گھمسان کی جنگ جاری تھی۔ گرمی کی شدت میں اضافہ بھی ہو رہا تھا کرونا کو گرمی سے سخت نفرت تھی اور اس کی طاقت ختم ہو رہی تھی اسی وجہ سے وہ چندو چند کو مات دینے میں مسلسل ناکام ہو رہا تھا۔

آسمان پر بادل بھی اچانک چھا گئے تیز ہوا چلنے لگی اور اچانک تیز بارش شروع ہوگئی جس وجہ سے گرمی کا زور ٹوٹنا شروع ہو گیا اور سردی کی شدت میں اضافہ ہو گیا۔ جیسے جیسے سردی بڑھتی گئی کرونا کی طاقت میں اضافہ ہوتا گیا۔ اب چندو چند کو اس کا مقابلہ کرنے میں دشواری ہو رہی تھی۔ وہ کرونا کے قریب آیا ہی تھا کہ کرونا نے اپنا بھدا سا بدنما منہ کھولا اس کے منہ سے تیز ٹھنڈی ہوا چلی جس سے چندو چند میلوں دور جا گرا۔ ٹھنڈ لگنے سے اس کی طاقت ختم ہوگئی اور وہ برف کے ایک بلاک میں قید ہو گیا جو کرونا کی تیز ٹھنڈی ہوا نے بنایا تھا۔

اب کرونا قاسم اور اس کے دوستوں کی طرف متوجہ ہوا۔ قاسم، باسط اور عالیہ تھر تھر کانپ رہے تھے کہ اب کرونا ان کو نہیں چھوڑے گا۔ کرونا غضب ناک انداز میں انہیں گھور رہا تھا۔ اتنے میں کرونا کی نظر قاسم کے قریب پڑے ٹب پر گئی جہاں سفید رنگ کا لیکوڈ پڑا تھا۔ سفید لیکوڈ چیز کرونا کو پینا پسند تھی اسے دیکھتے ہی کرونا کی توجہ قاسم باسط اور عالیہ سے ہٹ گئی۔ اس نے وہ ٹب اٹھایا اور سارا لیکوڈ اپنے منہ میں انڈیل دیا۔ لمحوں میں ہی کرونا کی حالت خراب ہونا شروع ہوگئی اور دیکھتے ہی دیکھتے کرونا کا قد چھوٹا ہوتا گیا یہاں تک کہ وہ پھٹ کر غائب ہو گیا۔

آسمان سے بادل بھی چھٹ گئے گرمی کی شدت میں اضافہ ہو گیا۔ چندو چند جس برف کے بلاک میں قید تھا وہ بلاک پگھل گیا۔ گرمی کی شدت نے چندو چند کو نئی زندگی دی اسے ہوش آ گیا اور وہ تیزی سے قاسم کے گھر کی طرف لپکا۔

قاسم اور اس کے دوست گھر سے باہر ہی کھڑے تھے انہوں نے چندو چند کو دیکھا تو اسے سارا معاملہ بتایا۔ اس نے اپنی جیب سے موبائل نکالا اور اس کا مائیک اپنے منہ کے قریب لا کر بولا۔ ''کرونا غائب ہو گیا ہے کہاں جا سکتا ہے۔۔۔؟''

چند لمحوں بعد ہی جواب آیا ''کرونا اپنی موت خود مر چکا ہے دنیا سے کرونا وائرس کا خاتمہ ہو گیا ہے''

چندو چند نے قاسم اور اس کے دوستوں کو بتایا سب ہی خوشی سے اچھل گئے۔ چندو چند سب سے مل کر غائب ہو گیا اور واپس اپنی نگری جا پہنچا۔ قاسم نے چندو چند کے نام سے صابن فیکٹری بنالی۔ لوگ چندو چند کو ہیرو ماننے لگے اور ہر آفت سے بچاؤ کے لیے اللہ کے بتائے راستے کو اپنانے لگے۔

☆☆☆

اقوال زریں

☆ دنیا میں ہمیشہ ناکامیوں نے کامیابیوں کی بنیاد مستحکم کی ہیں۔

☆ ہمارا کام دنیا کے پیچھے دوڑنا نہیں بلکہ دنیا کو کھینچ کر اپنے اصولوں پر لانا ہے۔

(سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ)

تحسین اللہ، قمری خیل لکی بنوں

کورونا سے بچاؤ ممکن ہے

ذوالفقار بخاری

قارئین! عوام کو حکومتی اقدامات کے مطابق خود کو ڈھالنا چاہیے تاکہ اُن کی بھلائی ہو سکے۔ چند علاقوں میں اگرچہ کرونا وائرس سے بچاؤ کی خاطر لگائے گئے لاک ڈاؤن کی خلاف ورزی ہو رہی ہے، جس سے پھیلاؤ زیادہ ہو رہا ہے۔اس سے کرونا وائرس کے پھیلنے کے خطرات زیادہ ہو رہے ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ اپنے آپ اور دوسروں کی زندگیوں کو خطرات میں نہ ڈالا جائے۔ یہ بھی سوچنا چاہیے جب حکومت اتنا کچھ کر رہی ہے تو ہم سب کو بھی اپنا کردار سرانجام دینا چاہیے۔زندگی سے اہم کچھ بھی نہیں ہے اسلئے احتیاط کریں۔کرونا وائرس سے بچاؤ ممکن ہے تو پھر ہم احتیاط کیوں نہ کریں، کیوں ہم اپنی زندگی کو اپنے ہاتھوں سے ایک طرح سے خودکشی کی طرف لے جائیں۔

کرونا وائرس نے عالمی وباء کی صورت اختیار کر لی ہے اور سب ہی اس مہلک مرض سے اب خوف زدہ دکھائی دے رہے ہیں۔ اگرچہ چین نے اس حوالے سے بہترین اقدامات کرتے ہوئے اس سے نجات کی صورت ممکن بنا لی ہے، نیوزی لینڈ اور دیگر ممالک بھی اس کو کم کرنے میں کامیاب ہو رہے ہیں۔چند ممالک میں اس کو دیکھتے ہوئے کھیلوں کے مقابلے بھی ہونا شروع ہو رہے ہیں جبکہ دیگر نے فی الحال کھیلوں کے انعقاد کو حالات کی بہتری تک ملتوی کر دیا ہے جو کہ ایک خوش آئند عمل ہے۔اس طرح کے اقدامات سے کھلاڑی بھی محفوظ رہ سکتے ہیں، وہ بھی

ہلاکت کی اگرچہ شرح بے حد کم ہے مگر اس میں مبتلا ہونے والے جب اپنے آپ کو لاعلاج سمجھ کر حوصلہ ہار دیتے ہیں تو وہ محض خوف کی وجہ سے اپنی جان گنوا دیتے ہیں۔ بہت سے افراد اس مرض کے خوف کی وجہ سے نفسیاتی مریض بھی بننا شروع ہو رہے ہیں۔اس حوالے سے ایسے افراد خاص طور پر ماہر نفسیات حضرات کی خدمات لیں، آج ڈاکٹرز بھی پریشان ہیں اور مرض میں مبتلا ہو رہے ہیں تو اس لئے ضروری ہو گیا ہے کہ معالج حضرات سے آن لائن رابطہ کر کے ہی ادویات لے لی جائیں، اسی طرح سے ماہر نفسیات

انسان ہیں اُن کی زندگی کھیل سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے مگر اس طرف بھی توجہ مرکوز کرنے کی ضرورت ہے کہ اس وائرس کو سر پر سوار نہ کیا جائے بصورت دیگر یہ پھر انسان کی ذہنی وجسمانی صحت پر اثرات مرتب کرے گی۔

دنیا کے بیشتر ممالک میں لاپروائی کی بدولت ہزاروں افراد اس مرض کی بدولت اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں اور آج بھی اس میں مبتلا ہوئے جا رہے ہیں۔اس مرض سے

کی خدمات لینے سے عوام کا ڈر ختم ہو گا اور وہ پُرسکون زندگی جی سکیں گے۔ یہ نہ ہو کہ وہ گھروں میں قید ہو کر گھٹن کا شکار ہوں اور پھر مزید پریشانی کا سامنا کرنا پڑے۔اس حوالے سے کسی بھی طبقے یا افراد پر کرونا وائرس کے پھیلاؤ کی بات کرنا مناسب نہیں ہے کہ پہلے بھی اسطرح کی بیماریاں آتی تھیں اور ماضی میں کئی وبائیں ایسی رہی ہیں جنہوں نے کئی لاکھ افراد کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔لہٰذا اختلافات کی بجائے عام معافی کے ساتھ خدا کے حضور توبہ کی جائے۔اس مرض کرونا وائرس سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے اپنی قوت مدافعت کو زیادہ کرنے کے لئے آرام کیجئے۔آپ نے غور کیا ہو گا کہ جب انسان کے اندر یہ قوت زیادہ ہوتی ہے تو وہ ہر طرح کی بیماری کے خلاف جنگ کو جیت لیتا ہے۔

اچھی خوراک کا استعمال کریں اور سب سے بہترین عمل تو یہی ہے کہ آپ جس بھی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں آپ بس اپنی مذہبی عبادات کی ادائیگی کرنا شروع کر دیں، یہ مرض آپ سے بہت حد تک دور ہو جائے گا کہ صفائی تو یوں بھی نصف ایمان ہے۔ ہاتھوں کو بار بار دھونا اور میل جول کم کرنا ممکن ہو جائے گا تو متاثرہ فرد سے آپ کے متاثر ہونے کے خطرات کم ہو جائیں گے۔اس کے لئے محض حکومتی اقدامات کافی نہیں ہیں بلکہ اس کے لئے کچھ کام آپ کو بھی کرنا ہو گا، یعنی جب تک آپ کچھ نہیں کریں گے تو تب تک یہ کرونا وائرس آپ سے دور نہیں رہے گا، تو اپنوں اور دوسروں کی زندگیوں کو متاثر کرنے یا خود ہونے سے باز رہنے کے احتیاطی تدابیر پر عمل کیجئے۔

☆☆☆

Monthly Shaheen -e- Iqbal Digest Peshawar Regd No P-291